بولتی تصویریں

فکر پارے ..... واردات قلب

مصنف

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی

برکات رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

بولتی تصویریں

(فکر پارے...... وارداتِ قلب)

مصنف
ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ مصباحی

ناشر:
برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی

کتاب : بولتی تصویریں
مصنف : ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی
تقدیم :
تصحیح :
کمپوزنگ : اعظمی گرافکس، ممبئی ۹ (9820983557)
ناشر : برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، میرا روڈ، ممبئی
اشاعت :
قیمت :

مصنف کا پتہ

Dr. Ghulam Jabir Shams Misbahi

201 - Gazala Galaxy, Near Kurnal Shopping Complex,
Naya Nagar, Mira Road (E), Mumbai - 401 107.
Mob: 9869328511
E-mail: ghulamjabir@yahoo.com

انتساب

امام احمد رضا کا پیر خانہ مارہرہ مطہرہ
لوگ اسے مارہرہ مطہرہ کہتے ہیں
مَیں اُسے برکات گھر، برکات نگر، برکات شہر کہتا ہوں
مَیں اُسے محبت گھر، محبت نگر، محبت شہر کہتا ہوں
وہ علم گھر بھی ہے، علم نگر بھی ہے، علم شہر بھی ہے
وہ عرفان گھر بھی ہے، عرفان نگر بھی، عرفان شہر بھی ہے
اسی گھر، نگر، شہر کے ایک تیز لَو چراغ سلالۂ خاندانِ برکات
قبلہ محترم سید محمد اشرف (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)
کے نام منسوب کرتا ہوں۔

جاروب کشِ درِ درویشاں
غلام جابر شمس مصباحی

فہرست

نمبر شمار	عنوان	
(۱)	تقدیم:......شرفِ ملّت سید محمد اشرف مارہروی	
(۲)	دریچہ کتاب کا:......غلام جابر شمس مصباحی	
(۳)	پہلی پہچان ہے چہرہ	
(۴)	مٹی کی تواضع	
(۵)	اسلام ہی دینِ فطرت ہے	
(۶)	صبح کون سوتا ہے؟ اُلّو یا انسان؟؟	
(۷)	کوؤں کا اتحاد	
(۸)	بمبئی کسی کی جاگیر نہیں ہے	
(۹)	بمبئی کی شہ رگ	
(۱۰)	یہ کیسی منطق ہے	
(۱۱)	اردو کا چراغ	
(۱۲)	گداگری ایک فن ہے	
(۱۳)	محنت کم، اُجرت زیادہ	
(۱۴)	مفت خوروں کی کہانی	
(۱۵)	یہ کیسے لوگ ہیں	
(۱۶)	آہ! کتنے ناقدر ہیں وہ لوگ	

(۱۷) ٹھیلم ٹھال نعرے
(۱۸) صوفی کی تربیت تھی، سلطان کا جواب تھا
(۱۹) یہ کیسی قیادت ہے
(۲۰) جوانو! ہمت نہ ہارو
(۲۱) جوان صلاحیتوں کی قدر کیجیے
(۲۲) نیت کیجیے دو ثواب کمائیے
(۲۳) پلٹا دیئے جاؤ گے
(۲۴) علما مشائخ ہی ہدایت ونور کے مینار ہیں
(۲۵) مقررین کا خیال رکھیے
(۲۶) محنت کش لوگ
(۲۷) قلم کتنا عظیم ہے
(۲۸) پہلی، دوسری، تیسری شناخت
(۲۹) دین کا سچا خادم کون؟
(۳۰) مضمون کیسے لکھیں؟
(۳۱) ملک کو کس نے آزاد کرایا؟
(۳۲) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اقلیتی کردار
(۳۳) امام ہٹاؤ تحریک
(۳۴) اماموں کے حجرے
(۳۵) تانیث، تذکیر، تلفظ کا مسئلہ
(۳۶) کیا بڑی شخصیتوں کی آنکھ، کان نہیں ہوتے

(۳۷) بوڑھے بزرگوں سے گزارش
(۳۸) جھینگر کی طرح کتابیں چاٹ لینے سے کوئی......
(۳۹) لکھیں پڑھیں، تو کیسے؟
(۴۰) چلیں اہرامِ مصر دیکھیں
(۴۱) قصہ آل انڈیا تنظیموں کا
(۴۲) مفت خوانی کی کہانی
(۴۳) ذرا سوچیے، کچھ تو کیجیے

دریچہ کتاب کا

آ گ لگے......بستی جلے......شہر جلے......نظر آئے ...... دِل جلے...... دماغ
جلے......نظر نہ آئے......کوئی نہ دیکھے......سیلاب آئے......آبادی بہے......سب دیکھے
......درد اُٹھے...... دِل بہے......کوئی نہ دیکھے......ناگہانی حادثہ آئے......انسان غم میں
ڈوب جائے......کوئی نہ دیکھے...... دِل کا جلنا......سُلگنا...... دہکنا......ڈوبنا......سب
احساس ہے......حسّی نہیں......حسّیات کا اُٹھ جانا المیہ ضرور ہے......مگر احساس کا اُٹھنا
اس سے کہیں بڑا المیہ ہے......کیوں کہ احساس ہی زندگی ہے......احساس نہیں تو زندگی
نہیں......احساس ہے......تو زندگی ہے......احساس ہی زندگی کا ثبوت ہے......زندگی
میں درد نہیں......ہلچل نہیں......اضطراب والتہاب نہیں......تو وہ کیا خاک زندگی ہے
......ایسی زندگی کا ہونا......نہ ہونا برابر ہے......بلکہ نہ ہونا ہی بہتر ہے، کیوں کہ سروں کی
گنتی سے قوم زندہ نہیں کہلاتی......قومی زندگی کے لیے سروں میں سرفروشی کا سودا ہونا
چاہیے......دلوں میں تمنا ہونی چاہیے......اگر سرفروشی کا سودا نہیں......تو کسی کا سویا......
جاگا......ہونا یا مر چکا ہونا......سب یکساں ہے......بلکہ رائیگاں ہے......

تنہا خوش وخرم جینا......کمال نہیں......یوں تو کوئی بھی جیتا ہے......انسان کیا
......حیوان بھی جی لیتا ہے......کمال یہ ہے سب کو لے کر جیا جائے......خوش وخرم رہا
جائے......یہ اسی وقت ممکن ہے......جب احساس زندہ ہو......یہ محض احساس ہی نہیں
......مسئولیت بھی ہے......ذمّے داری بھی ہے......اس احساسِ مسئولیت کا جواب
خداوندِ قدوس کی جناب میں ہر اُس شخص کو دینا ہوگا......جس کنبہ یا قوم کا وہ ذمّے دار ہے
......ذمّے داری کے احساس سے دنیا میں پلّہ جھاڑ لینا......عقبیٰ میں جواب دہی سے سبک

دوش نہیں کر دے گا......کون نہیں جانتا......مزدور......محکوم......رعیت......ماتحت کا فرض
چھوٹا ہے......مالک......حاکم......بادشاہ......کا فرض اُس سے بدرجہا بڑا ہے......
چھوٹوں کی غلطی چھوٹی ہوتی ہے......دیکھیے......غیر شادی شدہ نے زنا کیا......کوڑا مارا
جائے گا......شادی شدہ نے زنا کیا......سنگ سار کیا جائے گا......جاہل نے غلطی کی
......ایک سزا ملے گی......عالم نے غلطی کی دوہری سزا ہوگی......بس......ریل......ہوائی
جہاز......پانی جہاز کا سوار لاکھ لاپرواہی کرے......کوئی بات نہیں......ڈرائیور......
پائلٹ......ملّاح نے ذرا سی لاپرواہی کی......سب کی جانیں خطرے سے دوچار ہو
جائیں گی......گھر کا جوان ڈگمگائے......کوئی بڑی بات نہیں......گھر کا بوڑھا ڈگمگائے،
بڑی بات ہے......گھر کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا......آدمی کا ہاتھ پاؤں کٹ
جائے......وہ جی سکتا ہے......جب شہ رگ کٹ جائے......اُسے کون بچا سکتا ہے......

مثالیں دینا مقصد نہیں......مقصد ہے......قائدین کے کانوں میں آواز پہنچانا
......قیادت کی آنکھیں کھولنا......قائد وقیادت کی حس بیدار کرنا......یہ چھوٹا منہ بڑی بات
نہیں......بے ادبی......گستاخی نہیں......کیا وہ بچّہ گستاخ ہے......جو اپنے باپ سے اچھا
کھانا......عمدہ کپڑا اور پڑھائی کے اخراجات مانگتا ہے......لیٹ ہونے پر باپ کو جھنجھوڑتا
ہے، بسا اوقات پڑھائی چھوڑ دینے یا گھر سے نکل جانے کی دھمکی بھی دے ڈالتا ہے......
کون کہے گا......یہ بچّے کی گستاخی ہے......یہ تو اُس بچّے کا حق ہے، اپنا حق مانگتا ہے......
بچّہ ہے......کبھی ضد بھی کرتا ہے......کبھی اڑ بھی جاتا ہے، کبھی اِٹھلا بھی جاتا ہے......اب
یہ تو باپ کا فرض ہے......بچّے کی ضروریات پوری کرے......سمجھائے بجھائے......
منائے......خوش کرے......خوش رکھے......بلکہ باپ کا یہ بھی فرض ہے......باپ نے
اپنے باپ سے جو پیار پایا ہے......اپنے بچّے کو اُس سے زیادہ پیار کرے......باپ نے
اپنے باپ سے جو دولت پائی ہے......اُس سے بڑھا کر بچّے کے حوالے کرے......اگر

باپ نے باپ سے پائی دولت سے کم دی......تو باپ نے خیانت نہیں......تو کوتاہی ضرور کی......اگر اتنی ہی دولت حوالے کرتا ہے......جو باپ نے اپنے باپ سے پائی تھی...... یہ تو دادا کی دولت تھی ...... باپ نے کیا کیا؟ ......اگر باپ نے دادا کی دولت یا اپنی کمائی دولت کچھ نہیں چھوڑی......تو یہ حق تلفی ہوئی یا کیا؟......بچّے کی یا سماج کی نظر میں وہ ناکام باپ ہے......یا کامیاب؟ لہٰذا بچّے کو یہ حق ضرور ملنا چاہیے......بچپن میں وہ اصرار کرے ...... جب جوان ہو......تو تاحدِّ ادب احتساب بھی کرے ...... یہ بے ادبی، گستاخی نہیں ......یہ حق طلبی ہے......حق شناسی ہے......اپنے حقوق کا مطالبہ ہے۔

کون نہیں جانتا۔سب جانتے ہیں۔کون نہیں دیکھتا۔سب دیکھتے ہیں۔سر سے آسمان کھسک رہا ہے۔پاؤں سے زمین کھسک رہی ہے۔بساطِ سوادِ اعظم سمٹ رہی ہے۔ کل جہاں دین تھا۔آج بے دینی ہے۔کل خوش عقیدگی تھی۔آج بدعقیدگی ہے۔گھر گھر جہالت ہے۔غربت ہے۔بے دینی ہے......بدعملی ہے......بھوک، پیاس، بے روزگاری ہے......کچھ عائلی ضروریات ہیں......کچھ آئینی تقاضے ہیں......کچھ جدید مسائل ہیں، ملک و بیرون ملک کے بدلتے حالات ہیں......فرد سے جماعت تک سب بے خبر ہیں ......بے بصر ہیں......بات فرد کی نہیں......قوم کی ہے...... ہر شعبۂ زندگی میں اس قوم کی حالت کیا ہے......بتانے کی ضرورت نہیں......قائدوں نے کندھا ہٹا لیا......قوم بے آبرو ہو رہی ہے...... دو چار خانقاہوں کے حجرے آراستہ ہو جانا...... دو چار مدارس کی درس گاہیں آباد ہو جانا......دو چار خاندانوں کا مالدار یا دین دار ہو جانا......دو چار افراد کا اسمبلی یا پارلیمنٹ کے گلیاروں میں پہنچ جانا......یہ قیادت نہیں......یہ ترقی و تحفظ کی علامت نہیں۔

مسلم قوم کے قائد دینی ہوں یا سیاسی......وہ قوم کے درمیان اُس وقت آتے ہیں......جب اُن کی ضرورت ہوتی ہے...... جب قوم کو ضرورت ہوتی ہے......وہ نظر نہیں آتے......اپنی ضرورت سے آئے......ووٹ لیا......نوٹ لیا......چل دیا......اب

قوم ہے......قوم کے مسائل ہیں......وہ جوجھتے رہیں......قائدین اپنے اپنے حجروں اور بنگلوں میں آرام فرما ہیں......اب قوم سے کوئی نہیں پوچھتا......تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں...... تیرے کیا مسائل ہیں......قوم کو مسائل کے گرداب میں ڈوبتے یوں چھوڑ دینا قیادت کے سامنے ایک سوالیہ نشان ہے......کاش قیادت کی آنکھ کھلے...... کان کھلے......دل جاگے......ضمیر جاگے......احساس بیدار ہو......اسی بیداریِ احساس کے لیے یہ اوراق حاضر ہیں......راکھ کے ڈھیروں سے کہیں کوئی چنگاری سلگ گئی......تو اپنی محنت وصول سمجھوں گا...... اِن اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے......وہ قوم کی......سماج کی...... سچی تصویریں ہیں...... بولتی تصویریں ہیں...... وارداتِ قلب......جن کو لفظوں کی زبان دے دی گئی ہے......جملوں کا پیرہن پہنا دیا گیا ہے......باتیں کہیں واضح ہیں ......کہیں اشاروں، کنایوں میں کہی گئی ہیں......کہیں طنز و مزاح کے لبادے میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے......طنز و مزاح کے اسلوب سے فقط اس کی تصویریں ذرا تیکھے انداز میں دکھانے کی سعی کی گئی ہے......کسی شخصِ واحد یا گروہ واحد کی تنقیص خدارا ہرگز مقصود نہیں......یہ ایک عمومی جائزہ ہے......خصوصی نہیں......قارئین سے گزارش ہے......طنز و مزاح کا نوکیلا اسلوب نہ دیکھیں......اس کے چلمن سے جو درد جھلکتا ہے......اُسے محسوس کریں......کہیں ہنسی آئے......تو زیرِ لب مسکرائیں......قہقہے نہ لگائیں...... یہ مقام قہقہوں کا نہیں......مقامِ غور ہے...... جائے افسوس ہے...... دعوتِ فکر ہے...... پیغامِ عمل ہے......

قارئین! اپنے آس پاس کا جائزہ لیں...... یہ تصویریں متحرک نظر آئیں گی ......بولتی سُنائی دیں گی......مَیں نے یہ تصویریں آپ تک پہنچا دی ہیں......جاگنا جگانا آپ کا کام ہے......میری مثال تو بس وہی اُس کتّے کی ہے......گنّے کے کھیت میں پہرہ دیتے دیتے کسان سو گیا......جب ذرا آہٹ ہوئی......کھسر پھسر ہوا......کتّے نے

بھونک بھونک کر آنے والوں کو بھی بھگایا...... مالک کو بھی جگایا......بس میری یہ تحریر بھونکنے والی ہے...... جو قوم اور قائدین کو جگانا چاہتی ہے......اب قوم خود جگے ...... قائدین کو جگائے......یا قائدین جاگیں......قوم کو جگائیں......ویسے یہ فریضہ قائدین ہی کا ہے......چیل جب جھپٹا جھپٹی کرتا ہے......مرغیاں شور مچا کر چوزوں کو آگاہ کرتی ہیں......اپنے بازو پھیلا کر سمیٹ لیتی ہیں...... یہ قوم وہی چوزے ہیں......قائدین، ذمّے دار مرغیاں ہیں......چوزوں کو تحفظ فراہم کریں۔

خاکسار

غلام جابر شمس مصباحی

پہلی پہچان ہے چہرہ

انسان کی پہلی پہچان ہے چہرہ...... چہرے کو چھپاتے رکھیے...... بے چہرگی کا شکار مت ہونے دیجیے...... کیوں کہ چہرہ ...... شخصیت کی شناخت ہے ...... انسانی کیفیات کی نمائندگی کرتا ہے...... پہلے تو چہرے کو نکھار رکھیے......کہ نظافت نصف ایمان ہے......آنکھوں میں سرمہ لگائیے......کہ یہ سُنّت ہے......لب شرعی ہو......اپنی مونچھیں ترشی ہوئی ہوں......نہ چھلوائیے......کہ اَمرد دکھیں......داڑھی مشت بھر ہو......نہ کم...... نہ زیادہ......چھلوا کر خنثیٰ نہ دکھائی دیں...... خشخشی......فرنچ کٹ......کٹا کر......نیم مسلم ......نیم انگریز نہ بنیں......نہ اتنی بڑھائیں......کہ ناف تک پہنچے......حد وہی ہے...... بس ایک مشت......کہ یہی واجب ہے......کسی سے جب ملیے...... جہاں ملیے...... مسکرا کر ملیے ...... یہ بھی سُنّت ہے...... مسکراہٹ زیرِ لب ہو...... بالائے لب نہ ہو...... بات بات پر قہقہے نہ لگائیے......کہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

☆ ☆ ☆

مٹّی کی تواضع

ہم ہوں......یا آپ...... ہر انسان......مٹّی سے بنا......مٹّی سے نکلا......مٹّی پر ہے......مٹّی میں جائے گا......مٹّی میں تواضع ہے......عجز ہے......انکساری ہے......مگر انسان میں......مٹّی کی سی......نہ تواضع ہے......نہ عجز ہے......نہ انکساری ہے......ہم مٹّی سے بنے ہیں......مٹّی پر ہیں......مٹّی ہمیں اناج دیتی ہے......غذا دیتی ہے......پھل

پھول......سبزیاں......کیا کچھ نہیں دیتی...... چلنے کو راستہ......گھر بنانے کو پارۂ دل......
سونے بیٹھنے کو اپنی پشت بچھا دیتی ہے......مرتے ہیں......تو اپنی گود میں چھپا لیتی ہے
......کہیے کس قدر ہے وہ......متواضع ......منکسر......متوازن ...... محسن......خدمت گزار
......اطاعت شعار...... کتنے غرض پسند ہیں ہم ......فائدہ تو اُٹھا رہے ہیں......مگر اُس کا
کوئی وصف قبول کرنے کو تیار نہیں......خدا نے مٹّی بنائی...... ہمارے لیے مسخر کر دی......
وہ اپنا فرض پورا کرتی ہے......مگر خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے......ذرا سوچو تو سہی
......کیا ہم اُسے پورا کر رہے ہیں؟

☆ ☆ ☆

اسلام ہی دینِ فطرت ہے

ہندو مذہب میں طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے۔ جب شادی ہوگئی، جنم جنم ساتھ رہنا ہے۔ کوئی جوڑا یا جوڑے میں سے ایک اُسے توڑنا بھی چاہے، تو توڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس طویل زندگی کے جنگل میں غیر مناسب حالات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، ہندو مذہب کا مذہبی قانون اس کا نہ صرف قائل نہیں تھا، شدّت سے باغی بھی تھا۔ مگر وہ نامناسب حالات جن کا پیدا ہونا فطری امر تھا، رونما ہو کر رہے۔ بالآخر حکومت ہند کو ایک قانون بنانا پڑا اور ہندو سماج میں طلاق کا جواز فراہم کر دیا۔ جن وجوہات کی بنیاد پر یہ قانون بنا۔ اُن وجوہات کے پیشِ نظر اسلام نے اوّل مرحلے میں ہی اس جواز کی راہ متعین کر دی تھی۔ ہندوستانی حکومت کا قانون پاس کرنا، گویا دبے لفظوں اسلامی قانون طلاق کو تسلیم کرنا ہے۔ جس قانون سے ہندو سماج میں طلاق دی جانے کی سہولت فراہم کی گئی ہے، اُس کا نام یہ ہے: Hindu Marriage Act. 1955

☆ ☆ ☆

صبح کون سوتا ہے؟ اُلّو یا انسان؟

جب صبح ہوتی ہے...... چڑیاں چہچہاتی ہیں......کوّے کائیں کائیں کرتے ہیں
......گائے بیل بھی ایک خاص نو کی صدا لگاتے ہیں......مرغ ککڑوں کوں، ککڑوں کوں
کرنے لگتے ہیں......مرغ کی آواز صدائے جرس سے کم نہیں......بیل بچھڑوں کی ڈکار
تو اس سے بھی ہیجان انگیز معلوم ہوتی ہے......بھور ہوئی...... چرند پرند سب جاگ گئے
......نہیں جگا تو وہ...... جو عام مخلوق میں اشرف ہے......دن کو کام......رات کو آرام......
یہ فطرت کا اُصول ہے......اس کا عکس اصولِ فطرت سے بغاوت ہے...... چمگادڑ......
اُلّو جو رات بھر لیفٹ رائٹ کیا ہوا ہوتا ہے......صبح تڑکے ہی سوتا ہے......دن بھر سوئے گا
...... پھر رات ہوئی وہی لیفٹ رائٹ شروع......انسان تو اشرف مخلوق ہے......اُلّو کی
پیروی کیوں کرے؟......پیروی اُس کی کرو جس نے دن بنایا......رات بنائی......ہم کو،
تم کو پیدا کیا......کائنات بنائی......گھر میں راحت نہیں...... بدن میں فرحت نہیں......
روزی میں برکت نہیں......یہ نہیں کہتے......رات کو سوتے نہیں......صبح کو اُٹھتے نہیں......
دن کو کام کاج کرتے نہیں......اُلّو کی چال......بھینگے کا مال......کھایا بد مال......سویا
نڈھال......ہو گیا بُرا حال......اب مگر مچھ کا آنسو......گدھے کی پونچھ......رات جلدی
سو جاؤ......صبح جلدی اُٹھ جاؤ......راحت محسوس کرو......فرحت محسوس کرو......نماز پڑھو
......تلاوت کرو......کام میں لگ جاؤ......پھر روزی میں برکت دیکھو......سحر گاہی......
صبح خیزی......راحت......فرحت......مسرت......برکت......تندہی......تندرستی کی
ضمانت ہے......خدا کی ہدایت بھی ہے......نبی کی سُنّت بھی ہے......کامیاب زندگی کی
علامت بھی ہے......زیادہ نہیں...... چار دن کر کے دیکھو۔

☆ ☆ ☆

کوّوں کا اتحاد

کوّا بے زبان ہے......نہیں، زبان رکھتا ہے......ہم نہیں سمجھتے......ایک کوّا پکڑ کر دیکھو......ایک کوّا مار کر دیکھو......کوئی خبر کرے، نہ کرے......خود باخبر رہتے ہیں ......باخبر رکھتے ہیں......آناً فاناً سب جمع ہو جائیں گے......جیسے بارش میں مینڈک ٹرٹرا کر آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں......اسی طرح یہ بھی کائیں کائیں کرکے ساتوں آسمان سر پر اُٹھا لیں گے......کاؤں کاؤں کے شور سے اندازہ ہوگا......جیسے کہتے ہوں گے، کس نے مارا......کیوں مارا......کیسے مارا......کہاں مارا......کب مارا......دیکھو اُس کو......ڈھونڈو اُس کو......پکڑو اُس کو......پوچھو اُس سے......سزا دو اُس کو......قید کرو اُس کو......قتل کرو اُس کو......آج ایک مرا......کل دو مریں گے......پرسوں تین مریں گے......یوں ہماری نسل ختم ہو جائے گی......لیکن ہائے رے مسلمان! کوئی پٹتا ہے......تو پٹا کرے......کوئی قید ہوتا ہے......تو ہوا کرے......کوئی قتل کرتا ہے......تو کیا کرے......کوئی مرتا ہے...... تو مرا کرے......نہ کسی کو فکر......نہ کسی کو درد......نہ دوا......نہ ترس......نہ تڑپ......نہ محبت......نہ اخوت......نہ جذبۂ اتحاد......اے کاش! مسلمان کوّوں سے ہی سہی...... محبت و اتحاد کا سبق سیکھ تو لیتے......کوّا باہر سے کالا ہے......اندر سے اُجلا ہے......کیا مسلمان ظاہر سے سفید ہے......باطن سے سیاہ ہے......اگر ایسا ہے......تو ایسے مسلمانوں کو......کوّوں سے اُجالوں کی بھیک مانگ لینی چاہیے......ایسے صاف دل کوّوں کو......جس کسی نے ذبح کرکے کھا جانے کا حکم دیا یقیناً اُس کا دل رحم سے بالکل خالی تھا......شاید یہ احتجاج......اسی بے رحم کے خلاف تھا۔

☆ ☆ ☆

بمبئی کسی کی جاگیر نہیں ہے

گاؤں میں گائے بھینس چراتے چراتے......زمین داروں......رئیسوں کی ڈانٹ سنتے سنتے عاجز آنے والا بچّہ......اُلجھے بال......ویران چہرہ......بھوکا پیٹ...... خالی پاؤں......دو چڈّی......دو بنیائن......پھٹے پرانے دو شرٹ لے کر......پیدل ہی بمبئی آ گیا......دن بھر چندیاں چننے میں گزرا......رات بھر فٹ پاتھ پر سویا......ظلم یہ کہ نائٹ ڈیوٹی پولیس والے نے......چین سے سونے بھی نہ دیا......کبھی یہاں سے بھگایا کبھی وہاں سے نکالا......بارش آئی......تو پُل کے نیچے......ریلوے اسٹیشنوں پر...... اونگھتے جاگتے......وقت کاٹا......دن بھر گندے نالوں......نالیوں......غلاظت کے ڈھیروں کا چکّر کاٹ کاٹ کر......گلی کوچوں......نالے نالیوں......کوڑے دانوں کو صاف بھی کیا......پھیلتی ہوئی بدبو......اُبھرتے جراثیم......اُٹھتے ہوئے تعفن سے محلوں محلوں کو نجات بھی دیا......ٹوٹی بوتلیں......پھٹے جوتے......گٹروں کو جام کرنے والی تھیلیاں......سڑتے کپڑے......کانچ کے برتن......غرض کہ ہر قسم کے بے کار پرزے ......چیتھڑے......چندیاں چن چن کر اپنے پیٹ کا جگاڑ کیا......برسوں بعد......اب جو قسمت نے یاوری کی......ٹینڈر لینے لگا......خوب کمایا......خوب جمایا......انتخاب کا وقت آیا......تو الیکشن لڑا......کارپوریٹر بنا......ایم اے ایل بنا......تقدیر نے ساتھ دیا ......تو ایم پی بھی بن گیا......اب بال ٹھاکرے......راج ٹھاکرے کے پیٹ میں مڑور کیوں ہے......دماغ میں چکّر کیوں ہے......بہکی بہکی باتیں......اشتعال انگیز بھاشن کیوں ہے......بمبئی کیا کسی کی جاگیر ہے؟

☆ ☆ ☆

بمبئی کی شہ رگ

لوکل ٹرینیں بمبئی کی شہ رگ ہیں......زیادہ مناسب لفظ میں، لائف لائن ہیں......یہ رُک جائیں......تو بمبئی تھم جائے......جی ہاں!......۱۹۹۲ء کے فساد میں بمبئی بے جان ہوگئی......۲۶؍جولائی ۲۰۰۵ء کی بارش میں بمبئی ڈوب گئی......۷؍جولائی ۲۰۰۶ء کے بم بلاسٹ میں بمبئی جل بھن کر رہ گئی......دیکھنے والوں نے دیکھا......اُن مواقع پر بمبئی کیسی بے دست و پا ہوگئی......زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی......کیوں کی اِس کی شہ رگ کٹ چکی تھی......شہر موجود تھا......روشنی نہیں تھی......بازار تھا......رونق نہیں تھی......لوگ تھے......حرکت نہیں تھی......پلیٹ فارم ویران تھا......شاہراہیں سنسان تھیں......ہر طرف ہُو کا عالم تھا......سراسیمگی کا سایہ تھا......خوف، ہراس کے بادل تھے......ٹرین ایکسپریس نہیں......لوکل تھی......تھم گئی......بمبئی تھم گئی......وہ دوڑنے لگی......بمبئی دوڑنے لگی......زندگی رواں دواں ہوگئی......زندگی میں بہار آ گئی......جی! لوکل ٹرین بمبئی کی لائف لائن ہے......زندگی کی بہار ہے......

بمبئی کی شہری بسیں بے بس ہیں......کاریں بے کار ہیں......جگہ جگہ گڈھے جگہ جگہ بریکر......منٹ منٹ پر سگنل......بسیں اور کاریں رینگتی ہیں......دوڑتی ہیں......دھک سے رُکتی ہیں......ہڑاک سے رُکتی ہیں......بسیں ہیں......بے بس ہیں......کاریں ہیں......بے کار ہیں......کبھی لگے دولہن کی ڈولی ہے......ہلکے ہولے ہچکولے......ہلکورے کھاتے چلتی ہے......کبھی لگے گا......دولہے کا اسپ تازی ہے......سرپٹ دوڑ رہا ہے......جیسے ہی کھڈے آئے......بریکر آیا......سگنل آیا......سنگ ہائے سوختہ سے بنی راہوں، شاہراہوں پر دوڑتی بھاگتی یہ سواریاں......کبھی ستانے لگتی ہیں، کبھی تو چادر تان کر سونے لگتی ہیں......مگر لوکل ٹرین......اُن کو نہ سُستی آتی ہے، نہ اونگھ،

نہ نیند......وہ یکساں چلتی ہیں......دَم بہ دَم چلتی ہیں......سانجھ سویرے چلتی ہیں......دن رات چلتی ہیں......بے تھکان چلتی ہیں......سائیں سائیں چلتی ہیں......سرسراتے آتی ہیں......فرفراتے نکل جاتی ہیں......رُکنے تھکنے کا نام نہیں لیتیں، اتنی صبا رفتار ہیں......اتنی وفادار ہیں......یہاں کی لوکل ٹرینیں......لیکن یہ بمبئی ہے......ٹوکیو نہیں......بمبئی میں لوگ یوں چڑھتے نکلتے ہیں......جیسے مدھو مکھی کے چھتّے......ٹوکیو کی لوکل ٹرینوں میں ایسا نہیں ہوتا......بمبئی میں ٹرینیں کبھی لیٹ بھی ہوتی ہیں......مگر ٹوکیو میں نہیں......بمبئی کو ٹوکیو بننے میں ابھی وقت لگے گا......وہی ٹوکیو دنیا کا ایک مشہور ترین شہر......جاپان کا دارالحکومت۔

☆ ☆ ☆

یہ کیسی منطق ہے

ایک شخص، جو زندہ ہے......اُس کا ہر ہنر عیب ہے......گزر گیا......ہر عیب ہنر بن گیا......زندہ تھا......خرافات کا پلندہ تھا......مر گیا......کرامات کا دفتر کھل گیا......حیات تھا......حرام خور تھا......حرام کار تھا......آنکھیں بند کیا......حوروں کی گود میں جا بیٹھا......غلماں کا مخدوم بن بیٹھا......زندگی میں خدا سے دور تھا......مرتے ہی خدا کی خاص قربت میں پہنچ گیا......زندگی میں جو پہننے کو کپڑا نصیب نہیں تھا......اب پختہ قبر پر کپڑا ہی کپڑا ہے......کپڑا میلہ لگا ہوا ہے......رہنے کو ٹھکانے کا مکان نہیں تھا......اب گنبد و مینار کی تعمیر ہو رہی ہے......جو آسمان سے باتیں کر رہا ہے......اگربتی ہے......موم بتی ہے......لوبان، عود و عنبر ہے......گلاب و گل ریزیاں ہیں......عطریات کا چھڑکاؤ ہے......حال ہے......قال ہے......ہاؤ ہو ہے......قرآن ہے......کلمہ ہے......اوراد ہیں......وظائف ہیں......بھیڑ بھڑکا ہے......دھوم دھڑکا ہے......دیگ ہے......لنگر ہے

......میوہ جات ہیں......مٹھائیاں ہیں......نذر ہے، نیاز ہے......نذرانے ہیں......اور نہ جانے کیا کیا ہیں......جو من وسلویٰ کی صورت میں اُترتا چلا آرہا ہے۔

چہلم ہے...... برسی ہے، عرس ہے......جلسہ ہے......جلوس ہے......چادرو گاگر کی بارات ہے...... ہر آنے والا خوبیاں ہی بول رہا ہے...... ہر ادا جو زندگی میں قابلِ نفرت تھی......اب وہ قابلِ محبت ہے......وہ کل موردِ تہمت والزام تھا......آج وہ مہبطِ انوارِ الٰہی ہے......اصحابِ قلم ہیں......قلم ہاتھ میں ہے...... اندھا دھند لکھ رہے ہیں......سوانح لکھ رہا ہے......سیرت بیان کر رہا ہے...... ہر اتفاقی بات کو بتنگڑ بنا کر خرق و عادت کے ذیل میں لکھتا چلا جا رہا ہے......چن چن کر ایک ایک بات موتی بنا کر......نگار خانے میں سجا کر بیان کی جارہی ہے......وہ تمام احوال ومقامات جو پرانے بزرگوں کا حصہ وخاصہ تھے......وہ اب اُن پر بھی فٹ کیے جارہے ہیں...... لغت دیکھ دیکھ کر......پُرشکوہ الفاظ اُٹھا اُٹھا کر......القاب وآداب کی فہرست تیار کی جارہی ہے......اب نام کے آگے پیچھے اتنے سابقے ولاحقے چسپاں کردیے گئے...... کہ ایک سانس میں اسمِ گرامی مع القاباتِ جلیلہ کے زبان سے نہ بول سکتے ہیں...... نہ پڑھ سکتے ہیں......قدآدم اشتہار بھی اپنی تنگ دامنی پر شکوہ کناں ہیں......سمجھ میں نہیں آتا......الٰہی یہ کیسی منطق ہے......

☆☆☆

اردو کا چراغ

رعب جھاڑنا ہو......تو انگریزی بولیے......دوستی کرنی ہو......تو اردو بولیے......

جی! اردو پیار کی زبان ہے......محبت کی زبان ہے...... یہ اتنی میٹھی ہے......شیریں ہے ......بس بولتے جائیے، مٹھاس کا احساس کرتے جائیے...... یہ زبان دکن اور دہلی میں پیدا

ہوئی ......لکھنؤ، عظیم آباد، حیدر آباد نے اسے گود میں کھلایا، جھولے میں جھلایا......علما، صوفیا، شعرا نے اِسے پروان چڑھایا......پھر دیکھتے ہی دیکھتے......نامعلوم کتنی بستیاں...... کتنے دبستاں......کتنے بساتین آباد ہوگئے......کائنات پر کائنات زیرنگیں آتی چلی گئیں، آج دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو......کہ اردو نہ بولی جاتی ہو...... یہ اس کی مقبولیت ہے...... مقناطیسیت ہے......اثر آفرینی ہے......اردو، اردو ہے......جادو ہے......بِس کی گانٹھ نہیں......مصری کی ڈَلی ہے یہ......خدا نہ کرے...... یہ زوال آمادہ ہو......ملک میں خطرہ ہے......اور ملکوں میں شہرہ ہے...... پرانی بستیاں اُجڑ رہی ہیں......نئی بستیاں آباد ہو رہی ہیں ...... ملک میں بھی خطرہ نہیں، جب تک مدارس ہیں......تب تک اردو ہے ...... اسلامیانِ ہند عربی جانتے نہیں ...... فارسی سمجھتے نہیں ......کسی اور زبان میں دینی ذخیرہ نہیں......جو کچھ ہے......اردو میں ہے......پھر وہ اردو سے دست کش کیوں کر ہو سکتے ہیں ......گو اردو مسلمانوں کی ہی زبان نہیں......مگر غیر اردو والوں نے یہی سمجھ لیا ہے......ٹھیک ہے......سمجھ لیا ہے......سمجھ لینے دیں ......اردو والے بھی سمجھ لیں گے......اردو خانقاہوں سے نکلی......شاہی محلوں تک پہنچی......اب نہ شاہ رہے......نہ شاہی محل......خانقاہ تو ہے ...... یہاں خانقاہ سے مراد صوفیا ہیں ...... جب تک صوفیا ہیں......خانقاہیں ہیں......اردو ہے...... کیونکہ ہندوستان، اسپین نہیں بن سکتا...... بن بھی جائے......اذانیں گونجتی رہیں گی......اب تو اسپین میں بھی اذانیں ہونے لگی ہیں......اردو ادب کے ادبا و شعرا مایوس نہ ہوں......اردو محبت کی زبان ہے...... جب تک محبت ہے......تب تک اردو ہے......بس آپ اردو سے محبت کیجیے......اردو بولیے......اردو پڑھیے......اردو لکھیے ......اپنے بچوں کو پڑھائیے......نئی نسل کو سکھائیے......اردو کی اُجرت اُٹھائیے......اردو کی روزی کھائیے ......اردو سے منہ نہ موڑیے ...... پیٹھ نہ دکھائیے......نالہ وشیون چھوڑیے...... بقا ہی کی نہیں......فروغ وترقی کی تدبیریں کیجیے......اردو کے مدرسے کھولیے......اسکول بنائیے

......اسٹڈی سینٹر قائم کیجیے......اردو اکیڈمیوں کو فعال بنایئے......اردو مشاعروں کو تفریحی نہیں......تعمیری بنایئے...... دھوبی سب کے کپڑے دھوتا، صاف کرتا، استری کرتا ہے......اپنا کپڑا میلا کچیلا رکھتا ہے......ایسا نہ ہو......کوتاہی ہم کریں...... دوش دوسروں کو دیں......اُٹھیے......ہمت سے اُٹھیے......اردو کا چراغ ہر گھر میں روشن کیجیے۔

☆ ☆ ☆

گداگری ایک فن ہے

گونگے، بہرے، کانے، اندھے، لنگڑے، لولے، ہاتھ کٹے، پاؤں کٹے، اپاہج، معذور، مجبور محتاج، بے بس، بے کس، بے سہارا، یتیم، بیوہ، بڈّھے، بڈّھیاں، یہ اگر واقعی ذہنی، جسمانی لحاظ سے مفلوج ہیں، ان کے والدین نہیں ہیں، یا اولاد نہیں ہیں، جو اِن کی کفالت کر سکیں، تو اِن افراد کی دیکھ بھال یقیناً ایک ملّی، مذہبی فریضہ ہے، وہ قابلِ رحم ہیں، لائقِ مدد ہیں، محبت، ہمدردی، دستگیری کے مستحق ہیں، مال داروں کے مال میں......خدا نے اُن کا حصّہ مقرر کیا ہے......خدا کے رسول نے فرمایا! جو زمین پر ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہے......خدا اُن پر آسمان میں رحم فرماتا ہے......لیکن اگر یہ ذرا معذور ہیں...... ذہنی صلاحیت موجود ہے...... جسمانی قوت مفقود نہیں ہے......تو وہ محنت مزدوری کر سکتے ہیں...... دھندا، تجارت، ملازمت، زراعت کر سکتے ہیں......کوئی وجہ نہیں کہ وہ منگتے بنیں...... بھکاری کا بھیس اپنائیں......گداگری کا کاسہ لیے پھرا کریں......دیکھنے میں ہٹے کٹے ہیں......عقل بھی برابر کام کرتی ہے......پھر بھی مانگتے نظر آتے ہیں......ایسے لوگ کاہل، مکّار، چور...... نکمّے، اُچکّے، آرام طلب، تن آسان ہوتے ہیں...... یہ بالکل قابلِ ترس نہیں...... لائقِ مدد نہیں...... اِن کو دینا درست نہیں...... اِن کا تعاون کرنا......اِن کی کاہلی، تن آسانی کو بڑھاوا دینا ہے......

آج کل گداگری ایک فن بن گئی ہے......اسے آپ ایک صنعت یا تجارت

بھی کہہ سکتے ہیں......گداگروں کی ٹولی مافیا کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے......اب اِس ٹولی کا ٹینڈر، ٹھیکہ بھی ہونے لگا ہے......ہوشیار لوگ اِسے کاروبار کے طور پر کرنے لگے ہیں......گھر بیٹھے اِس سے اچھی کوئی اور تجارت نہیں......گداگروں کا یہ حربہ نادرست تو ہے ہی......لیکن مسلم قوم کے لیے دردِ سر بھی ہے......صرف دردِ سر ہی نہیں...... باعثِ ذلّت و رسوائی بھی ہے......کسی درگاہ، بارگاہِ مسجد کے سامنے چلے جایئے...... چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے......کیا اِس قوم کی یہی قسمت ہے...... دیکھ کر حیرت ہوتی ہے......معقول معذوروں کی بات الگ ہے......اچھے خاصے ہٹّے کٹّے ذہنی یا جسمانی لحاظ سے بالکل بھلے چنگے لوگ کیوں اس قطار میں کھڑے ہوں......یہی لوگ اصل معذوروں کا حق بھی مار لیتے ہیں...... یہ ایک سنگین مسئلہ ہے...... باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور مشاہدہ بھی ہے...... اِس بہتی گنگا میں غیر قوم کے مرد عورت بھی ہاتھ دھونے لگے ہیں...... بلکہ مسلمان کے بھیس میں اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں......مرد کرتا، پائجامہ اور داڑھی میں......عورتیں برقعے میں...... مسلمان بنے بھیک مانگتے رہتے ہیں......مسلمانوں کی شبیہ خراب کرتے رہتے ہیں...... گداگری کا فن مزید فروغ نہ پائے...... دھیان میں رکھنے کی ضرورت ہے......ورنہ گداگروں کی تنظیم اسے مافیائی تحریک کی شکل دینے سے گریز نہیں کرے گی......اس وقت مسئلہ قابو سے باہر ہوگا۔

☆ ☆ ☆

محنت کم، اُجرت زیادہ

آمدنی کے اعتبار سے...... مدارس کے مدرّسین تین قسم کے ہوتے ہیں......

ایک وہ......جو پڑھاتے بھی ہیں......تقریر بھی کرتے ہیں...... چندہ بھی کرتے ہیں......مدرسے کی تنخواہ......تقریر کا نذرانہ...... چندے کا کمیشن......تعویز نویسی......نکاح خوانی......قرآن خوانی......چھوٹ چھاٹ کی انکم الگ......یعنی پانچوں انگلیاں گھی میں......یا

روپے گننے میں......

دوسری قسم وہ...... جو پڑھاتے ہیں......تقریر یا چندہ کر لیتے ہیں...... بالائی انکم تو ہے ہی......اُن کے منھ میں بھی گھی شکر ہر وقت......رہی تیسری قسم...... جو حرف پڑھاتے ہیں...... نہ تقریر کا فن آتا ہے...... نہ چندے کا ہنر...... اِس اخیر قسم کے مدرّسین......عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں......صلاحیت کے اعتبار سے بھی تین ہی طرح کے ہوتے ہیں......اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ......دیانت کے اعتبار سے......دو طرح کے ہوتے ہیں......ایک مخلص محنتی......دوسرے آرام طلب، کام چور، علم چور...... عادت کے اعتبار سے......قریب سبھی اچھے ہوتے ہیں...... یکا دکا بدنظری، بدفعلی کا شکار ہوں تو ہوں...... فطرت کے اعتبار سے...... کچھ حاسد...... کچھ متعصب...... کچھ غالی متعصب......کچھ غالی متعصب عداوت کی حد تک......درس گاہوں کے اساتذہ...... چھوٹی تنخواہ پاتے ہیں......سخت محنت کرتے ہیں......عصری درس گاہوں کے اساتذہ میں...... پری پرائمری...... پرائمری......مڈل اسکول......ہائی اسکول کے ہیں......کالج یونیورسٹی کے اساتذہ...... بریف کیس بھر بھر کر تنخواہیں اُٹھاتے ہیں......محنت نسبتاً کم کرتے ہیں......ٹیوشن کلاسس والے......محنت سے زیادہ فیس لیتے ہیں...... بڑی بڑی کوچنگ کلاسس والے......محنت کے لحاظ سے لوٹتے زیادہ ہیں......حرام خوری، بدنظری اور بدکاری...... دنیاوی درس گاہوں......تربیت گاہوں میں نسبتاً زیادہ ہے...... دینی درس گاہوں میں ہے بھی......تو آٹے میں نمک برابر......محنت اور ذہانت کے لحاظ سے مدارس کے طلبہ...... بہت محنت کرتے ہیں...... بہت ذہین ہوتے ہیں...... اسکول، کالج، یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس محنت میں کم......ذہانت میں پیچھے ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفت خوروں کی کہانی

آم، کٹھل، جامن، لیچی کی فصل پک کر تیار ہوتی ہے......تو کوّے ٹوٹ پڑتے ہیں......اچھا، عمدہ، تازہ، پکا پھل کوّے کھا جاتے ہیں......اُس وقت کسانوں، باغ بانوں کا دل جلنے لگتا ہے......ہانکنے بھگانے کی تدبیر نکالتے ہیں......کوّے جب ہنکائے نہیں ہنکتے......تو کسانوں، باغ بانوں کی جانوں پہ بن آتی ہے......کیسے مفت خور ہیں یہ کوّے......جتائی، بوائی ہم کریں......نرائی سینچائی ہم کریں......رات دن دیکھ ریکھ ہم کریں......جب فصل تیار ہو......تو تازہ پکے پھل کوّے کھائیں......کیسے مفت خور ہیں یہ کوّے......کیسے بے رحم ہیں یہ کوّے......کیسی بے حیا ہے یہ نسل......جس نے حیا کا ذرا سا بھی حصہ نہیں پایا......کسان و باغ بان دیہاتی ضرور ہیں......مگر چتُر بہت ہوتے ہیں......اپنے ہم پیشہ افراد سے شکایت کی......مشورہ کیا......ہم پیشہ لوگوں نے مشورہ دیا......تاڑ، ناریل، سپاری، بیل کی کھیتی کریں...... یہاں کوّوں کی دال نہیں گلے گی...... دانت کھٹّے ہو جائیں گے......بھوکے بھاگتے راہ نہیں پائیں گے......مگر وہ جو کسی شاعر نے کہا ع چھٹتی نہیں یہ منہ سے کافر لگی ہوئی

مفت خور کوّوں نے مشورہ کیا......خدا نے ہمیں بال و پر دیے ہیں......ہم باغ بان تھوڑے ہی ہیں......کھیتی پکڑ کر بیٹھے رہیں......یہ ناریل، بیل اُگاتے ہیں......یہ اُڑ نہیں سکتے......ہم اُڑ سکتے ہیں......چلو ہم ملیح آباد چلتے ہیں......وہاں تو آم ہی آم ہے......قسم قسم کے آم ہیں......وہاں آموں ہی کی کھیتی ہے......آموں ہی کی فصل ہے......لیچی کھانا ہو......تو مظفر پور چلتے ہیں......جامن کٹھل کھانا ہو......تو مدھ پردیش چلتے ہیں...... یہ باغ بان کیا ہمیں بے وقوف سمجھتے ہیں......ہم تو اچھے اچھوں کو بے وقوف بنا کر چھوڑ نہیں دیتے...... پلٹ پلٹ کر بار ہا بناتے ہیں......خدا نے ہمیں وہ فن دیا ہے

......جس سے یہ باغ بان کیا......تمام انسان ہی نابلد ہیں......جب ہم نے دیوبند کے مفتی رشید کو نہیں چھوڑا......تو یہ کسان کیا وقعت رکھتے ہیں...... یہ تو دن چڑھے تک سوتے ہیں......ہم صبح سویرے کائیں کائیں کرکے اِن کو جگاتے ہیں...... پھر اِن کی فصلوں پر حملہ کرتے ہیں...... اِدھر سے اُڑایا......اُدھر جا بیٹھے......اُدھر سے اُڑایا...... اِدھر آ بیٹھے......یہ ہمیں کہاں تک اُڑا پائیں گے......ایک چھپٹے میں ہم ان کو بے وقوف بنا دیں گے......یہ بے وقوف سمجھتے ہیں......ہم بے وقوف ہیں...... بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں......جو رات دن بے وقوف بنتے رہتے ہیں......ایک مفتی رشید کیا......ساری دنیا کے مفتی ہمیں کھانا حلال کردیں......تب بھی نہ ہم حلال ہوسکتے ہیں......نہ بے وقوف بن سکتے ہیں......ہمارا کام ہے بے وقوف بنانا......ان کا کام ہے بے وقوف بننا......ہم ان کے ہاتھوں سے روٹیاں بوٹیاں لے لے کر اِن کو بے وقوف بنا دیتے ہیں......ہم مفت خور نہیں......ہم خدا کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں......مفت خور تو وہ ہیں...... جو انگریز کے مالِ حرام تک نہیں چھوڑتے......

☆☆☆

یہ کیسے لوگ ہیں؟

مافیا لوگ......ایک بار شب خون مارتے ہیں......قارون کا خزانہ جمع کرلیتے ہیں......

سیاسی لوگ............ایک بار الیکشن جیت لیں............کبھی ایک، کبھی دو......کبھی کئی عمر کی دولت کما لیتے ہیں......

بلڈر لوگ......ایک بلڈنگ بناتے ہیں......زندگی بھر عیش کرتے ہیں......کئی بنائیں ......تو کئی زندگی دادِ عیش دے سکتے ہیں......

سر لوگ ......اسکول، کالج، کھولتے ہیں......غریب والدین کا خون نچوڑ کر......اپنے

بنگلے......کوٹھیاں سجاتے ہیں......

افسر لوگ............سیٹھ ساہوکاروں کی............تجوریاں خالی کرتے ہیں............ ......اپنا بینک اکاؤنٹ بڑھاتے ہیں......

پولیس لوگ......مخبر چھوڑتے ہیں......آدھا خود کھاتے......آدھا مخبر کو کھلاتے ہیں......

فقیر لوگ......گداگری بھی اچھی منڈی ہے......اِس کا اب ٹھیکہ ہونے لگا ہے......

پیر لوگ......سال میں ایک بار اپنے آباواجداد کا عرس کرتے ہیں......سال بھر کا خرچہ جٹا لیتے ہیں، پھر جو سال بھر مریدستان کا دورہ کرتے ہیں......اُس سے جو انکم ہوتی ہے ......بینک والے رکھنے سے انکار کردیتے ہیں......

مقرر لوگ......مہینے میں ایک پروگرام کرکے......مہینے بھر ٹھاٹ سے کھا سکتے ہیں...... دو چار ہوا............تو بونس............محرم، ربیع الاوّل......ربیع الثانی......شعبان میں تو وارے نیارے ہوجاتے ہیں......

ناظم لوگ............مدرسے سے زیادہ پیٹ چلاتے ہیں......اگر وہ مدرسہ ٹھیک سے چلائیں......تو علما اتنے بیکار نہ نکلیں......

مچند لوگ......رمضان میں چندہ کرتے ہیں......سال بھر آرام کرتے ہیں......

وکیل لوگ...... چمار سے کم نہیں...... اپنے مؤکلوں کی چمڑی اُدھیڑتے ہیں...... چمچماتی اے سی کاروں میں گھومتے ہیں......

ڈاکٹر لوگ......قصاب سے کم نہیں......بیماروں کو اُلٹی چھری سے ذبح کرتے ہیں......

امام لوگ......تنخواہ چھوٹی ہے......چھوٹ بہت ملتی ہے......چھوٹ کھانے کے چکّر میں ٹرسٹیوں کے سامنے......حق بات بول نہیں پاتے......خدایا......یہ کیسے لوگ ہیں؟؟؟

☆ ☆ ☆

آہ! کتنے ناقدر ہیں وہ لوگ

علم اللہ کی صفت ہے...... اللہ کا نور ہے...... جلوۂ علم ثبوت کا ظہور ہے...... علم ہر ذہن میں نہیں اُترتا...... ہر سینے میں نہیں بستا...... یہ وہیں گھر کرتا ہے...... جہاں شفافیت ہوتی ہے...... پاکیزگی اور برگزیدگی ہوتی ہے...... جب سے سفید پوش کالے کرتوت والوں نے...... اسے حاصل کیا...... علم کو رُسوا کر کے چھوڑ دیا...... سفید پوشوں نے...... جہاں چاہا...... لے گیا...... جب چاہا...... بیچ دیا...... علم کو جنسِ بازار بنا دیا...... علم، جو خدا شناسی...... خدا رسی کا ذریعہ تھا...... نا اہلوں نے روپیہ بٹورنے...... دولت ہتھیانے...... دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا...... دنیا تو مل گئی...... آخرت بدل ڈالی...... عاقبت خراب کر ڈالی...... یہ کیسے لوگ ہیں...... جو دین پر دنیا کو ترجیح دے دی...... یہ فراست نہیں، حماقت ہے...... دانائی نہیں...... نادانی ہے...... دانا تو وہ ہے...... جو حقارت کے پاؤں سے دنیا کو ٹھوکر مار دے...... بھوکے سہی...... پھٹے حال سہی...... اخریٰ سنبھال لے...... عقبیٰ سنوار لے...... دیکھو!...... یہ بلال حبشی ہیں...... یہ سلمان فارسی ہیں...... بلال کی رنگت غلافِ کعبہ جیسی ہے...... مگر حسینانِ عالم ہیچ ہیں...... کہکشاں کا جمال فیل ہے...... جنت کی بہاریں نثار ہونے کو ہیں...... سورج اُگ نہیں سکتا...... جب تک بلال اذان نہ دے دے...... سواری رسول اللہ کی ہوگی...... نکیل بلال کے ہاتھ میں ہوگی...... جنت کے دروازے خود بخود کھلے ہوں گے...... بلال کا پہلا قدم ہوگا...... حوریں خوش آمدید کہیں گی...... غلمان استقبال کریں گے...... مسرت کا سماں ہوگا...... بہاریں رقص کریں گی...... بلال حبشہ سے اُٹھے...... بھاگم بھاگ حجاز پہنچے...... وہ علم پایا...... جو رسول اللہ کے جلو میں خدا تک پہنچا دیا...... ہم حجاز نہیں پہنچے...... حجاز سے علم یہاں آیا...... آہ کتنے ناقدر ہیں وہ لوگ...... جو پائی دولت کھو دی۔

☆ ☆ ☆

ٹھیلم ٹھال نعرے

کبھی جلسے بڑی دھوم دھام سے ہوتے تھے...... مہینوں پر چار ہوتا تھا...... ہفتوں تیاری ہوتی تھی...... لوگ جوق در جوق آ کر...... جمع ہو جاتے تھے...... دل سے سنتے بھی تھے...... بولنے والے کی زبان میں تاثیر بھی ہوتی تھی...... سننے والوں پر اثر بھی پڑتا تھا...... وہ جلسے با مقصد ہوا کرتے تھے...... اب بے مقصد ہوا کرتے ہیں...... اب وہ جلسے ہی کہاں...... وہ تو اپنی موت آپ مر گئے...... اب صرف کانفرنسیں ہوتی ہیں...... نام بڑے...... درشن چھوٹے...... وہی اونچی دکان، پھیکا پکوان، والی بات رہ گئی...... وہ زمانہ ہَوا، ہُوا جب پسینہ بھی گلاب تھا...... اب عطر بھی مَلو تو پسینے کی بو نہیں جاتی...... یہ جدید دور ہے...... ہر چیز مٹّھی میں ہے...... پل میں تصور...... پل میں تیاری...... پل میں کانفرنس شروع...... یہ کانفرنسیں مذہبی ہوں...... سیاسی ہوں...... یا احتجاجی مظاہرے...... آپ نے دیکھا ہوگا...... لوگ پوری طاقت سے چیخ چیخ کر...... نعرے لگاتے ہیں...... جگر پھاڑ نعرے...... ہلّہ بول نعرے...... فلک شگاف نعرے...... اگر یہ نعرے ذرا نرم...... مدّھم ہوں...... تو اسٹیج پر بیٹھے...... مائک ہاتھ میں لیے ایک مخصوص فرد ہوتا ہے...... جو سامنے سننے والوں کو خوب جوش دلاتا ہے...... للکارتا بھی ہے...... جیسے وہ فرد لوگوں کو کہیں سے اس کام کے لیے خرید کر لایا ہو...... اُس للکار کا اثر بھی ہوتا ہے...... لوگ خوب نعرے لگاتے ہیں...... شور مچاتے ہیں...... جو شورِ قیامت سے کم نہیں...... لوگ اپنے آپ میں ہوتے بھی نہیں، جوش میں ہوش کھو دیتے ہیں...... اس وقت کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی ہے، اب اس فرد کو محسوس ہوتا ہے...... ہاں! اب کچھ ہو رہا ہے...... لوگ بیدار ہیں...... کانوں میں تقریر ٹھونسی جا رہی ہے......

نعرے لگانے والے صرف نعرے ہی نہیں لگاتے...... ہواؤں میں ہاتھوں کو

بھی لہراتے ہیں......جیسے اُن کی کوئی چیز کھوگئی ہو......ہواؤں میں ڈھونڈتے ہوں......
پکڑنے کی کوشش کرتے ہوں......اُس وقت مجمع میں آدمی نہیں......ہاتھ ہی ہاتھ دکھائی
دیتے ہیں......جی ہاں! وہ کھوئی ہوئی چیز یہ کہ اُن کے نعرے آسمان تک نہیں پہنچتے......
ہواؤں میں......فضاؤں کی وسعتوں میں اُن کے نعرے رُک رُک سے گئے ہیں......
اٹک اٹک سے گئے ہیں......یہ اپنے ہاتھوں سے ٹھیل ٹھیل کر......ڈھکیل ڈھکیل کر فلک
تک پہنچا رہے ہیں۔

☆ ☆ ☆

صوفی کی تربیت تھی، سلطان کا جواب تھا

سرتاج، جو سلطانِ وقت تھا......سر جھکائے......قرآن کی کتابت کر رہا تھا
......شریکۂ حیات، ملکہ روتی کراہتی حاضر خدمت ہوئی......کراہتی ہوئی بیوی کو دیکھ کر
......سلطان کا مضطرب ہو اُٹھنا فطری امر تھا......پوچھا، کیا ہوا......جانِ جاں؟ ہاتھ
سہلاتے ہوئے......ملکہ نے جواب دیا......روٹی پکا رہی تھی......سینک کر اُتار رہی تھی
......کہ توے سے ہاتھ جل گیا......سلطان نے کہا......خیر خدا کی......مَیں ابھی مرہم لاتا
ہوں......وقت کا سلطان قرآن کی کتابت چھوڑ کر مرہم لایا......اور خود ہی بیوی کے جلے
ہوئے ہاتھ پر لگا دیا......

جب ذرا راحت ملی......ملکہ نے کہا......اب کیا ہوگا......کھانا روٹی کیسے
بناؤں......دوسرے کام کیسے کروں......آپ ایک نوکرانی کا بندوبست کرلیں......
سلطان کا جواب تھا......فکر نہ کرو......جب تک تمہارا ہاتھ ٹھیک نہیں ہوتا......مَیں خود
تمہارے کاموں میں ہاتھ بٹاؤں گا......ملکہ نے عرض کیا......نہیں عالی جاہ! آپ تکلیف
کیوں کریں......ایک خادمہ رکھ لیجیے......جب میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا......تو مَیں خود

ہی سارا کام اپنے ہاتھوں سے کروں گی......سلطان کا جواب سُنیے......اتنی آمدنی اور
گنجائش کہاں......کہ خادمہ رکھ سکوں......چھ مہینے میں ایک قرآن کی کتابت کر پاتا ہوں
......اس سے گھر کا کھانا خرچہ چلتا ہے......وہ بھی جوں توں کر کے......پھر خادمہ کا بار
کہاں سے اُٹھاؤں......

ملکہ نے مشورہ دیا......آپ بادشاہ ہیں......شاہی خزانے سے کچھ لے لیا
کیجیے......سلطان یہ سُن کر کانپ اُٹھا اور بول پڑا......

او! میری جان!......تم کیا کہہ رہی ہو......یہ شاہی خزانہ تو رعایا کی امانت ہے
......مَیں تو صرف امین ہوں......اِس خزانے سے کچھ لینا میرا کیا حق بنتا ہے......ملکہ یہ
جواب سُن کر چپ ہوگئی......اور مطمئن ہوکر......گھر کے کاج کام میں لگ گئی......
سلطان بھی ہاتھ بٹانے لگا......بتایئے......وہ کیسا بادشاہ تھا......جی یہ وہی بادشاہ تھا......
جس نے وسیع تر ہندوستان پر بیس برس حکومت کی......نام تھا......سلطان ناصر الدین
بن سلطان شمس الدین التمش......وہ ۱۲۴۶ء میں تخت شاہی پر بیٹھا......کامل بیس برس
۱۲۶۶ء تک حکومت کی......مگر گھریلو زندگی کیسی تھی......کیسی گزاری......

وہی سلطان شمس الدین التمش......جس کی تربیت، اُن کے اولاد کی تربیت
حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے کی تھی............کیا لوگ تھے......ہماری عبرت کے
لیے......بہت سے کیا کیا سبق چھوڑ گئے......

☆☆☆

یہ کیسی قیادت ہے؟؟؟

چکن کڑھائی کا عمدہ نفیس لباس......اونچی آسمانی ٹوپی......پانچ ہاتھ کا جبّہ
......دس ہاتھ کی پگڑی زیب تن کر لینے سے......انسان عالم نہیں ہوجاتا......علم کوئی اور

شے ہے......علم کے تقاضے کچھ اور چیزیں ہیں......اسی طرح گلے میں ہرے، لال، نیلے رومال لٹکانے...... ہاتھوں میں ہزار دانوں کی تسبیح رکھ لینے سے انسان متقی نہیں ہوجاتا ......تقویٰ الگ چیز ہے......لباسِ تقویٰ چیزے دیگر ہے......لباس، رکھ رکھاؤ......وضع قطع مَدارِ بزرگی پارسائی نہیں...... بزرگی، پارسائی......بجائے خود حُسن ہے......اسے کسی زیب وزینت، آرائش ونمائش کی قطعی ضرورت نہیں...... بزرگ اپنا تعارف آپ نہیں کراتا......نہ متقی اپنا تقویٰ جتاتا ہے......علما خاشعین ربانین بھی اپنے علم وفضل کی نمائش سے دور بہت دور ہوتے ہیں......

اپنے، یا اپنے شاگردوں......مریدوں......عقیدت مندوں......کے منہ سے کوئی بھلا انسان اپنی شناخت نہیں کراتا......ڈنکے نہیں بجواتا......اس بھلے انسان سے خدا جب خوش ہوتا ہے......راضی ہوتا ہے......تو وہ خود ہی اپنے فرشتوں کے ذریعے اُس بھلے انسان کی بھلائی، پارسائی، نیکی، بزرگی کا اعلان کروادیتا ہے......خلقِ خدا ٹوٹ پڑتی ہے...... پیاسی خلقت سیراب ہوتی ہے......بھلے وہ بھلا انسان جنگل میں ہو......اُس کا ذکر ہر جگہ عام ہوتا ہے......ہر زبان پر چرچا رہتا ہے......

آج لوگ زبردستی کھینچ کھانچ کر مٹھی کا رومال بنانے کی کوشش کرتے ہیں......اس کوشش میں بے جا حیلے حربے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے ...... بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے......کھلے بندوں وہ نفسانیت، انانیت، کردارکشی پر اُتر آتے اور ہر طرح کی اوچھی حرکتیں، آڑی ٹیڑھی باتیں کرنے لگتے ہیں......سوال یہ ہے......وہ اس قدر مالیخولیا کے مرض کے شکار کیوں ہوجاتے ہیں......انہیں چاہیے......کہ وہ اپنی مٹھی میں وسعت پیدا کریں، ظرف وسیع رکھیں، اپنی ذات میں وہ علمی روحانی قدرت پیدا کریں کہ ایک انسان ہی کیا، ایک کائنات سماجائے......معلوم ہے......بیئر بضاعہ پر بھیڑ نہیں لگتی......شیریں اُبلتے چشمے پر ازدھام ہوتا ہے......اپنے کو شیریں بنائیں......

فیض بخش، فیض رساں بنائیں......مبدأ فیاض ایسا نواز دے گا......کہ تم حیران رہ جاؤ گے......یاد رکھو ساری عزت، قوت، تعریف خدا ہی کے لیے ہے......اُسی کو یہ اختیار ہے......کسی کو عزت وقوت سے سرفراز کردے......

☆☆☆

جوانو! ہمت نہ ہارو!

چوہا ایک باہمت جانور ہے...... چوہے کا وجود کتنا......سب جانتے ہیں......مگر اُس کی ہمت کی داد دیجیے...... بوریوں کی بوریاں کاٹ ڈالتا ہے......گودام کے گودام میں تباہی مچادیتا ہے......جب فصلیں پکنے پر آتی ہیں......کھیتوں میں گھس جاتا ہے......کسان پریشان رہتا ہے......گودام کا مالک پریشان رہتا ہے...... چوہوں سے بچنے کی ہزار تدبیریں کرتا ہے......مگر چوہے ہمت نہیں ہارتے ......اُدھر سے بھگایا......اِدھر سے آیا...... اِدھر سے بھگایا......اُدھر سے آیا...... بظاہر وہ چھوٹا ہے......عقل بھی نہیں ہے......انسان بڑا بھی ہے...... عاقل بھی ہے ......مگر چوہے سے پریشان ہے ......کوئی تدبیر کام نہیں آتی......سمجھ میں نہیں آتا......کیوں کر اس سے نجات ملے......

یہی نہیں...... چوہا پہاڑ بھی کھود ڈالتا ہے......اپنی کھوہ، غار، بل بنالیتا ہے......کہاں پہاڑ، کہاں چوہا......مگر ہمت دیکھیے...... پہاڑ کھودا......تب نا اپنا ٹھکانا بنایا......پہاڑ کا وجود دیکھ کر گھبرا جاتا......تو وہ گھر نہیں بنا پاتا......بے گھر رہتا......گھر بنانا ہے......بسانا ہے......تو ہمت نہ ہارو...... چوہوں سے سبق سیکھو......ایک کہاوت ہے......کھودا پہاڑ، نکلا چوہا...... یہ ہمت کا کام ہے...... یہ اُس وقت بولتے ہیں...... جب سخت محنت کے بعد خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا......نتیجہ چاہے جیسا ہو......سامنے آیا تو سہی......ہمت سے کھودا......تب نا چوہا نکلا......ورنہ کبھی نہیں نکلتا......اب دوسرا، تیسرا کھودو......

کچھ اور نکل آئے گا......اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے...... چوہا بھی نہیں نکلتا......مگر ہمت والے ہمت نہیں ہارتے...... جو ہمت ہارتا یا پست ہمت ہوتا ہے......وہ اپنی زندگی میں اہم کا نامہ (Achevement) انجام نہیں دے سکتا......

یہ بجلی کے بلب اور ڈرائی بیٹری...... جانتے ہیں......اس کا موجد کون ہے...... نام ہے اُس کا تھامس الوایڈ مین......اُس نے ۹۹ بار تجربہ کیا......تب جا کر سویں ۱۰۰ بار کامیاب ہوا...... کہیے اگر وہ دو چار بار ہی میں ہمت ہار بیٹھتا......تو کیا آج الیکٹرک بلب اور ڈرائی بیٹری سے دنیا فائدہ اُٹھا پاتی......اُس کی ہمت کی داد دیجیے...... کہ اُن تجربوں میں زندگی گذار کر...... دنیا کو ایک ایسی چیز دی......جس پر آج دنیا کی رفتار کا انحصار ہے......تجربوں کی ناکامی پر لوگ طعنہ بھی دیتے ہیں......آوازیں بھی کستے ہیں ......اس سے اپنے ارادے نہ چھوڑ دو...... ہمت سے آگے بڑھو......اتنی کوشش، محنت، تجربہ کرو...... کہ کامیاب ہو کر اُس کا جواب بنا دو......اُسے قائل کر دو......اپنی طرف مائل کر دو...... یہ جبھی ہوگا...... کہ تم نئی قوت، نئے عزم اور بھرپور ہمت سے......آگے ہی آگے بڑھتے رہوگے......قدم رکنا تھکنا نہیں...... آگے اور آگے چلتے ہی رہنا چاہیے ......دیکھیے...... یہ ٹیلی فون آج سب کی ضرورت ہے......اس کا ایجاد کرنے والا تھا...... الیکزینڈر گراہم بیل...... اُس نے ٹیلی فون بنایا......اُس وقت کے صدر امریکہ ورودر فورڈ، کو دکھایا......صدر نے بڑی تعریف کی...... پھر یہ طنزیہ جملہ بھی کس دیا...... یہ ایجاد حیرت انگیز تو ضرور ہے......مگر اِسے خریدے گا کون؟ گراہم بیل نے اِس منفی طنزیہ جملے کا قطعی اثر قبول نہیں کیا......اگر وہ اِس طنز کا بُرا مناتا......تو نہ آج یہ ٹیلی فون ہوتا......نہ اس کا نام ہی زندہ رہتا......اور نہ تاریخ کا حصہ بنتا......

ایک دیہاتی کہاوت ہے...... یہ کہاوت میرے والد اکثر کہا کرتے ہیں...... بچوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں...... کہاوت یہ ہے......رسّی آوت جاوت ہے، سِل پر

پڑت نشان، رسّی جو ریشوں یا جوٹ کی لٹوں سے بٹی جاتی ہے......مضبوط تو ہے......مگر پتھر اور سِل کے مقابلے میں...... کسی قدر نازک اور نرم ہے......وہی رسّی سِل پر گھستے رہنے سے......نشان پڑ جاتا ہے......بسا اوقات کھڈا بھی ہونے لگتا ہے......یہ اسی وقت ممکن ہے......کہ رسّی مسلسل گھسی جائے......ہمت سے کام لے......ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے...... پیارے نوجوانو! ہمت ہے......تو چاند گگن پر بھی پہنچ سکتے ہو...... ستارے بھی توڑ لا سکتے ہو......ہمت نہیں......تو چنے کے جھاڑ پر بھی چڑھ نہیں سکتے...... ماچس کی تیلی بھی توڑ نہیں سکتے......اُمید ہے......تم ہمت نہیں ہاروگے......

☆☆☆

جوان صلاحیتوں کی قدر کیجیے

جوان صلاحیت کی قدر نہیں...... بوڑھی صلاحیت کی قدر ہے...... جب کہ وہ اپنے بوڑھے جسم کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی...... وہ قوم کا بار، بوجھ کیا اُٹھائے گی...... جب صلاحیت تھی...... طاقت بھی تھی......تب تو کوئی پوچھا نہیں...... تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں......اب منھ میں دانت ہیں، نہ پیٹ میں آنت ہیں......دانت مصنوعی بن سکتے ہیں......آنتوں کی سرجری بھی ہوسکتی ہے......معاف کیجیے......وہ دانت نہیں...... جو کھانے کے اَور......دکھانے کے اَور ہوتے ہیں......سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے...... اب تو دونوں ہی دانت بن سکتے ہیں......رہی بات آنت کی......تو یہ شیطان کی آنت نہیں...... پیٹ کی ایسی سرجری ہوگی......اونٹوں کی جوان جوان ہڈیاں ہضم ہوسکتی ہیں ......بوڑھا جب جوان ہوگا......تو پھر جوان کیا ہوں گے......بچّے......شیطان کی آنت کی طرح بات نہ بڑھایئے......نہ ربر کی طرح کھینچیے......سائنس ترقی چاہے جتنی کرلے ......قدرت کے آگے ہیچ ہے......

بوڑھی صلاحیت جب جوان تھی......کوئی خاطر میں نہیں لایا...... جب کہ جان
خطرے میں ہے...... ہرطرح کی پذیرائی ہے...... ہاتھوں میں رعشہ ہے......گلدستہ
پیش ہے......گردن میں خمیدگی ہے...... ہار حاضر ہے...... یہ ہار...... ہار جیت کا نہیں
......پھولوں کا ہار ہے......ہاں ہاں! پھولوں کا ہار ہے......مگر بندہ زندگی سے ہار چکا ہے
......جب زندگی کی جیت تھی......تب تو پہنایا نہیں......ترستا رہ گیا......اب کہ پنکھڑیاں
بھی بار ہے......تو ہار کی بات کرتے ہو......مریں گے تو سہی قبر پہ ڈال دینا...... بھلے اندر
جو بھی ہو......اس ہاری ہوئی زندگی کا......ایک بوڑھے کا جاں بلب حصہ باقی ہے......
جبریل سرہانے کھڑے ہیں......اس عالَم میں اعجاز ہے......اکرام ہے......انعام ہے
......ایوارڈ ہے...... چاندی سے تولا جا رہا ہے......جشن منایا جا رہا ہے...... جب چہرہ
چاند کی طرح چمک رہا تھا......کوئی چار آنہ نہ دیا......اب آنہ پائی کا حساب چکانے کی
باری ہے......تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے...... جب ہونا چاہیے تھا......سو رہا تھا......اب جگا
ہے......تو جگے رہ...... اب میری باری ہے...... میں سو رہا ہوں...... جگانا مت......
قیامت میں ایک ساتھ جاگیں گے......اب سے کوئی تیس پینتیس برس پہلے یہ سب کچھ
ہوتا......جو آج کر رہے ہو......تو کتنا کام ہوتا......کام سے مراد کوئی اور کام نہیں......
یہی دینی کام......قومی کام......کتابی کام......قلمی کام......جماعتی کام۔

☆ ☆ ☆

نیت کیجیے دو ثواب کمایئے

مسجدیں ...... روز دیکھتے ہیں......قرآن دیکھتے ہیں ...... ماں باپ کے
چہرے دیکھتے ہیں......مگر یہ دیکھنا محض دیکھنے کی حد تک ہے......اگر عبادت کی نگاہ سے
دیکھیں......تو دیکھنا بھی ہو......عبادت بھی ہو......عبادت فیشن کے طور......عبادت کی

نیت سے ہو......تو ثواب ضرور ملے گا......لوگ روز نمازیں پڑھتے ہیں......تلاوت
کرتے ہیں...... کلمے، وظیفے، درودیں پڑھتے ہیں......اُن سب کا ثواب تو اپنی جگہ ہے
ہی......اگر وہی مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لیں......تو اعتکاف کا
ثواب بھی ملے گا......جتنی دیر وہ مسجد میں ہیں......اعتکاف میں ہیں......دوہرے ثواب
کے مستحق ہوں گے......اس کے لیے الگ سے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں......صرف
نیت کر لینے کی ضرورت ہے......اعتکاف کے لیے نہ رمضان شرط ہے......نہ کوئی مدّت
......دس پندرہ بیس منٹ وہی جس میں وہ نماز، تلاوت، عبادت کرتے ہیں...... ہاں!
رمضان والا اعتکاف الگ ہے......اُس کا مسئلہ ہی دوسرا ہے...... چند لمحے کا اعتکاف
کبھی بھی ہو سکتا ہے......کوئی بھی کر سکتا ہے......ہم روز کھاتے ہیں...... پیتے ہیں......
چاول کھاتے ہیں...... گیہوں، جَو کی روٹی کھاتے ہیں...... بڑے کا......بکرے کا......
مرغی کا گوشت کھاتے ہیں......مچھلی کھاتے ہیں...... کدّو کھاتے ہیں......شہد پیتے ہیں
......انجیر، کھجور کھاتے ہیں...... دودھ، دہی، پنیر کھاتے ہیں...... سِرکہ پیتے ہیں......
وغیرہ وغیرہ......ان غذاؤں کے کھاتے پیتے وقت......اگر ہم یہ نیت کر لیں......آقائے
دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن چیزوں کو بطورِ غذا استعمال فرمایا ہے...... اِس لیے ہم
کھاتے پیتے ہیں......تو ہمارا کھانا پینا......بھی ہو جائے...... ایک سُنّت پر عمل بھی ہو
جائے......مشقت کچھ نہیں......اُجرت بہت......ثواب متعین......الغرض کھانا پینا ہی
کیا...... چلنا پھرنا......اُٹھنا بیٹھنا......سونا جاگنا......عبادتیں کرنا......والدین، احباب،
اقربا سے ملنا جلنا......وہ کام جو ہمارے آقائے گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے......
عادی طور پر ہمیں بھی کرنا ہی کرنا ہے......صرف نیت کر لینے سے ایک سُنّت ادا ہو جائے
گی......اس طرح ایک ایک کر کے کتنی سنتوں پر عمل ہو جائے گا......کتنا اجر ثواب ملے گا
......آج ہی سے آپ ارادہ کر لیں...... ہر وہ کام جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

ثابت ہے......اس کے کرتے وقت سُنّت کی نیت ضرور کرلیں۔

☆ ☆ ☆

پلٹا دیئے جاؤ گے

خدا نے ہزارہا نعمتیں پیدا فرمائیں ...... یہ سب انسان کے لیے ہیں......غذا انسان کے لیے ہے......انسان غذا کے لیے نہیں......یعنی کھانا انسان کے لیے ہے...... انسان کھانے کے لیے نہیں ...... مسلمان کو چاہیے......تھوڑا کھائے ...... حلال کھائے ......پاک کھائے......خدا کا شکر بجالائے......ھل من مزید کی رٹ نہ لگائے......جو مل جائے ......قناعت کرے ...... نہ ملنے پر صبر کرے......عن قریب اتنا ملنے والا ہے ......کہ سمیٹا نہ جاسکے......اس لیے توکّل کرے......ناشکرا...... بے صبرا نہ بنے......اس سے آئی روزی روٹھ سکتی ہے......عسرت، غربت، تنگی، تنگ دستی...... ہماری نظر میں ہے ......خدا تو حکیم ہے......اُس کی حکمت، وہ جانے......عجب نہیں یہ ذرا سی زحمت بہت بڑی رحمت کا دیباچہ ثابت ہو...... خدا جو ماں سے زیادہ ممتا کا مالک ہے...... بندوں کو بھوکا پیاسا......ترستا تڑپتا دیکھ نہیں سکتا......اُس کی رحمت جب برسنا چاہتی ہے صحرا جنگل جل تھل کر دیتی ہے......مسلمان جو کبھی اپنی تنگی و تنگ دستی پر شکوہ کناں تھا...... آج اپنی قسمت پر فرحاں و رقصاں ہے...... جب تنگ حالی تھی......اب خوش حالی ہے ...... یہ دونوں حالت مومن کے لیے امتحان ہے......قرآن کھلا اعلان کرتا ہے...... حدیث کا فرمان ہے......مومن کا امتحان ہوگا...... جانوں کی اموات سے، مالوں کے اتلاف سے......بھوک سے......پھل اور کھیتی کی کمی سے......اب جو مال آیا......مال بھی آزمائش ہے......المال و البنون فتنه ...... مال آیا......تو نہ اِتراؤ......مغرور و متکبر نہ بنو......فاحش و عیاش مت بنو......خدا علیم ہے......خوب جانتا ہے......بصیر ہے......

خوب دیکھتا ہے......خدا کی پکڑ بھی تمام پکڑ سے سخت پکڑ ہے......اس لیے خدا کا کہا سُن ......خدا کی راہ میں خرچ کر......یتیموں کو دیکھ......بیواؤں کو دیکھ......بے سہاروں کی سُن ......بے کسوں کو دیکھ......بے بسوں پر نظر کر......یاد رکھ! تیرا مال تیرا ہی نہیں ہے......قبضہ تمہارا ہے......حصہ سب کا ہے...... مال دار تم ہو......حق دار سب ہیں ......کسی کا حصہ دبایا......حق مارا......تو قریب ہے......خدا تجھے تیری پہلی حالت کی طرف پلٹا دے......جی ہاں! دھیان رکھو......اگر تم اپنی عادت سے نہیں پلٹے......تو جلد ہی تم پلٹا دیے جاؤ گے۔

☆ ☆ ☆

علما مشائخ ہی منارۂ ہدایت و نور ہیں

علما و مشائخ ...... مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں ...... میں بیٹھ کر دین کی خدمت کرتے ہیں......قوم کی رہنمائی کرتے ہیں ...... پہلے زمانے میں اُن کے مصارف بادشاہِ وقت برداشت کرتے تھے ...... جائدادیں، جاگیریں وقف کردی جاتی تھیں ......اسی سے اُن کا خرچ پورا ہوتا تھا...... وہ قناعت پسند بھی ہوتے تھے......صبر و شکر کے ساتھ ...... دینی کاموں میں مصروف رہا کرتے تھے ...... رہنے کے لیے وہی جھوپڑے...... مسجدوں کے حجرے......وہ بھی بالکل سادہ اور صاف ستھرے......وہ زمانہ ہی کچھ اور تھا ......اب کچھ اور ہے۔تب خدا پرستی غالب تھی ......اب دنیا پرستی غالب ہے......تب خوفِ خدا تھا......اب خوفِ حکّام ہے......تب تاریکی تھی......اب روشنی ہے......تب دین پیارا تھا......اب دنیا پیاری ہے ......تب دیانت تھی ......شرافت تھی ......اب خیانت ہے......رزالت ہے......تب سادگی تھی......اب رنگینی ہے......دورِ حاضر کے لوگ دولتوں کی ریل پیل میں ...... بہتے جارہے ہیں......علما مشائخ بھی اِس بہاؤ سے اپنے آپ کو روک نہیں پارہے ہیں ...... جیسے جیسے لوگ تمول، تعیش، تکلف، تکئیف،

آرائش، آسائش، زیبائش، روشنی، رنگینی، فیشن کے دل دادہ ہوتے جارہے ہیں ......
ویسے ویسے علما مشائخ کے طرزِ زندگی میں بھی بدلاؤ آتا جارہا ہے...... تعیش کے سامان
جب لوگ اپناتے ہیں...... کوئی چیں بجبیں نہیں ہوتا...... علما مشائخ ذرا تکلف پسند ہوئے
...... لوگوں کی زبانیں دراز ہونے لگیں ...... کیا علما مشائخ روشنی اور رنگینی کے شہر میں
رہنے کا حق نہیں رکھتے...... لوگ اپنا بنگلہ کوٹھی بنائیں، سجائیں...... کوئی اعتراض نہیں ......
علما مشائخ خوش حالی سے رہیں سہیں ...... تو لوگوں کی آنکھیں چر چراتی کیوں ہیں ......
لوگ اپنے بچوں کو اسکول کالج میں پڑھائیں ...... تو کوئی قباحت نہیں ...... علما مشائخ
پڑھائیں ...... تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی ہے ...... لوگ اس دورِ جدید کی مخلوق ہیں
...... ہمارے علما مشائخ کیا دورِ پتھر یا دورِ ماقبل تاریخ کے باشندے ہیں......؟

حیرت ہے لوگ شاہ راہوں پر...... نیم عریاں ...... یا بالکل عریاں چلتے ہیں
...... علما مشائخ کیا کریں...... نظریں بند کر کے چلیں ...... یا سڑکوں پہ چلنا ہی چھوڑ دیں
...... پھر اُن کی ضرورتیں کون پورا کرے...... بے حیائی کے چوراہے پر...... دنیا آ کھڑی
ہے...... واقعی شرفا کا چلنا دشوار ہو گیا ہے...... لوگ جس قدر جھوٹ بول رہے ہیں ......
سچ کے پیرو کاروں کا جینا دوبھر ہو گیا ہے...... مگر یاد رکھیں ...... اس دورِ قیامت آشوب
میں ...... دیانت، امانت، صداقت، شرافت، مروت، محبت، امن، اخلاق انسانی اور
اسلامی اقدار کا جو کچھ بھی رواج، رمق روشنی باقی ہے ...... یہ انہیں علما مشائخ کے بدولت
ہے...... وہ نور وہدایت کے مینار ہیں......

☆☆☆

مقررین کا خیال رکھیے

جی ہاں! مقرر بے چارہ ...... بڑا مظلوم ہے ...... یہ قوم اس کو...... چین سے

بیٹھنے نہیں دیتی...... جیسے کسان بیل کو فرصت نہیں دیتا...... صبح ہوئی، ہل میں جوت دیا......
دوپہر ہوئی...... گاڑی میں جوت دیا...... رات ہوئی ...... چارہ دیا...... ذرا بھی آرام نہیں
کیا ...... کہ بھور ہو گئی ...... پھر وہی جوتا جوتی ...... ہانکا ہانکی ...... اور ڈھیلا ڈھیلی ......
کانفرنس کرنے والے...... کانفرنس کی نظامت کرنے والے...... اس بے رحم کسان سے
کم نہیں...... اُلجھے بال...... پراگندہ حال...... اُکھڑی اُکھڑی سانس...... ہانپتے کانپتے
...... ابھی پہنچا نہیں...... ہاتھ دھلایا...... کھانا کھلایا...... اسٹیج پر پہنچا دیا...... منتظم جلسہ......
ناظمِ جلسہ کم نہیں ...... لمبے چوڑے القاب وآداب کے ساتھ...... زیادہ نہیں...... صرف
تین میٹر کا نام لیا...... یا! نعروں کی گونج فلک تک پہنچی...... مقررِ دوراں...... خطیبِ اعظم
اپنی توند کی طرح نہیں ...... غبارے کی طرح نہیں ...... پیراشوٹ کی طرح پھول کر......
کرسی پر بیٹھا...... پہلے تو ایک پانچ میٹر کا خطبہ پڑھا...... پھر ایک دس میٹر کی اپنی رودادِ
سفر سنائی...... زندگی بھر جتنے شہروں کا سفر کیا ہے، ایک ایک کر کے ہر ایک کا نام لیا......
پھر تقریر جو شروع کی ...... تو لگتا ہے ...... کرسی ابھی ٹوٹی ...... تبھی ٹوٹی ...... اسٹیج ابھی
گرا...... تبھی گرا...... تقریر ہو رہی ہے...... کہ اپنے آپ سے لڑائی ہو رہی ہے...... اُدھر
سامنے بیٹھے سامعین بھی کم نہیں ...... یہ نعرہ...... وہ نعرہ...... زوردار نعرہ...... دَم دار نعرہ
...... نعروں پہ نعرہ...... نعرہ ہی نعرہ...... اُدھر خطیبِ اعظم ...... مست گراں ڈول ہاتھی کی
طرح...... ڈولم ڈول تقریریں کر رہا ہے...... جان جوکھم میں ڈال کر...... چیخ چیخ کر......
برساتی مینڈک کی طرح...... آسمان سر پہ اُٹھا اُٹھا کر...... منہ بھر جھاگ نکال نکال کر......
خطاب کیا...... سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوب گیا...... اپنا دل پاک نہیں...... مجمع سمجھا
خاک نہیں ...... نذرانہ بٹورا...... صبح ہوتے ہی چل دیا...... کیونکہ آنے والی رات میں
...... آٹھ دس گھنٹے کے فاصلے پر...... کسی اور شہر میں ...... گل چھرے اُڑانے ہیں......
کہیے مقرر کو کہاں چین ہے...... میرے آقا کی بارگاہ میں بھاگ کر ایک اونٹ آیا......

شکایت کی ......میری طاقت سے زیادہ......میرا مالک مجھ پر بوجھ لادتا ہے......رحمتِ کونین نے مالک کو بلایا......تاکید کی......اونٹ کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادا مت کرو ......اس کے آرام وچین کا بھی خیال رکھو......اے میری قوم! ہمارا مقرر بیل اور اونٹ سے زیادہ گیا گزرا تو نہیں......اس پر رحم کرو، ترس کھاؤ......دن رات مت کھٹاؤ......ذرا چین سکون کا بھی خیال رکھو...... جب بچے گا نہیں......تو پھر اس سوئی ہوئی قوم کو کون جگائے گا۔

☆ ☆ ☆

محنت کش لوگ

کھرپی......درانتی......لے کر گھسیارہ کھیتوں، میدانوں میں گھاس چھیلتا، کاٹتا پھرتا ہے......شام کو شہر لے گیا...... بیچ کر دام کھرے کیا......غلہ خریدا......گھر لا کر بال بچوں کا پیٹ پالا......آری......کلہاڑی......لے کر لکڑہارا......جنگلوں میں گیا......دوپہر تک آری، کلہاڑی چلائی...... پسینہ بہایا......شام ڈھلے بازار گیا...... چراغ جلتے گھر پہنچا......یوں اُس نے وہ آگ بجھائی......جو اُن کے بچوں کے پیٹ میں لگی تھی......

سقّہ بردار......بہشتی...... پانی بھر بھر کر......یہاں وہاں دکانوں......مکانوں......اونچی اونچی بلڈنگوں پر جا آ کر پانی پہنچاتا جاتا ہے......تب وہ اپنے گھر والوں کا دانا پانی...... مہیا کر پاتا ہے......

بھاجی والے......مچھلی والے......بھوڑے بھوڑ اُٹھ جاتا ہے......سامانِ تجارت لاتا ہے......دس بجتے بجتے......پھر شام ہوتے ہوتے......بازاروں میں حاضر ہوجاتے ہیں......اس طرح وہ اپنے دو وقت کی روٹی حاصل کر لیتے ہیں......

ڈاکیہ......کوریئر والے......دن بھر در در ٹھوکریں کھاتے ہیں......دروازے

دروازے دستک دیتے ہیں......تب کہیں جا کر جو اُن کو تنخواہ ملتی ہے......وہ اُن کی گزر اوقات کا سہارا بنتی ہے......

دودھ والے......سائیکل ہانک ہانک کر......اُن کے سرین کی کھال گھس جاتی ہے......بڑی اونچی عمارتوں میں چڑھتے اُترتے......سانس پھول...... پاؤں تھک...... کمر دوہری ہوجاتی ہے......پھر کہیں وہ......اپنا چولہا جلا پاتے ہیں......

کچرا والے......مہتر بچارے......کچروں کے ڈبّے...... لیتے دیتے...... کوڑے کرکٹ چنتے اُٹھاتے......جھاڑو مارتے لگاتے......نیم جان ہوجاتے ہیں...... سورج نکلتے ہی بیچارے جو آتے ہیں کولہو کے بیل کی طرح گھومتے گھماتے......شام کو گھر پہنچتے ہیں......کتنی کڑی محنت کی روزی کھاتے ہیں......

محافظ دستے......واچ مین بیچارے......نہ دن چین......نہ رات سکون...... دن کو پانی جٹاؤ...... پانی چڑھاؤ......کنڈیاں کھٹکھٹاؤ...... پانی پہنچاؤ......شام ہوتے ہی لائٹ جلاؤ......آنے جانے والوں پر نظر رکھو......فلیٹ والوں کی بات بھی سنو......رات بھر بھونک بھونک کر......اپنی بیداری کا ثبوت بھی دو......یہ طبقہ کتنا محنت کش ہے......

کڑیا والے......بلڈنگ کھاتے میں کام کرنے والے......چلچلاتی دھوپ میں پسینے چوا چوا کر، برستی بارش میں بھیگ بھیگ کر......اِدھر اُدھر بھاگ بھاگ کر پست و بالا دوڑ دوڑ کر......اوپر اوپر باہر باہر بندر کی طرح لٹک لٹک کر اپنا فرض پورا کرتے ہیں...... پھر کہیں جا کر......اپنے اہل وعیال کا پالن پوسن کرتے ہیں......

ایسے لوگوں سے......پولیس لوگ...... بھائی لوگ......دادا لوگ......سیاسی لوگ......محلّے کے نکمّے چرسی لوگ......جب 'ہفتہ' مانگ کر وصولی کرتے ہیں......یا بابا لوگ......امام لوگ......بانگی لوگ......'یومیہ' خراج لیتے ہیں......تو کہیے اُن بیچارے نہتوں پر کیا بیتتی ہے......دلوں پہ کیا گزرتی ہے......کتنے ظالم ہیں یہ......کتنے مظلوم

ہیں وہ......اے لوگو! آہِ مظلوم سے بچو......یاد رکھو! مظلوم کی آہ بڑی قہر آلود ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

قلم! تُو کتنا عظیم ہے

قلم! کتنا عظیم ہے تو ......عرشِ بریں مسکن ہے تیرا......کاتبِ قدرت نے تجھے پکڑا......لوحِ محفوظ تُو نے لکھا......قرآن میں ذکر ہے تیرا......پہلی پانچ آیتوں میں تو ہی اُترا......حمدِ الٰہی تُو نے کی ......مدحتِ نبی تُو نے کی۔ صحاح ستہ کا کاتب ہے تُو ......فقہ وفتاویٰ کا لیکھک ہے تُو ......قدر دانوں نے چوما تجھے......کاتبوں کے کانوں پہ رہتا ہے تُو ......قلم کاروں کے سینوں سے چپکتا ہے تُو ......قلم دانوں کی گود میں بستا ہے تو......ہر وقت ہاتھوں ہاتھ رہتا ہے تُو ......رکنا تھکنا سیکھا نہیں ......خشکی کا منہ دیکھا نہیں ......دھڑ دھڑ چلنا مزاج تیرا......گن گن چلتا ہے تُو ...... ہر گھڑی حرکت میں رہتا ہے تُو ......دَن دَن دَن دَن لکھتا ہے تُو ......قلم! ہاں کتنا عظیم ہے تُو......

گھاس کا تنکا حقیقت تیری......کانچ کا ٹکڑا حیثیت تیری......ہلکا پھلکا قد کاٹھ تیرا...... بھاری بھرکم کام تیرا......تو نہیں ......تو تعریف نہیں ......تو نہیں ......تو تاریخ نہیں ......تجھ سے ہوا ہے ذکرِ خدا بلند......تُو نے ہی ڈالا مدحتِ مصطفیٰ کا چلن ...... تیرا چرچا ہر سو ہے......تیری عظمت گگن گگن ...... جیتے رہو تم جُگ جُگ سدا......کبھی نہ آئے تجھ پر شکن......کبھی نہ ہو سکے تجھ کو تھکن ......عرش تا فرش تُو ہی تُو ......محلوں میں ......مرغ زاروں میں ......اپنی جھوپڑ پٹیاں ...... جو جہاں ڈھونڈیں......مل جاؤ تم ......تُو ہے میرا راج دُلارا......مَیں ہوں تیرا خدمت گار......تجھ سے بنی ہے عزت اپنی ......رکھ لے تُو ہی میری لاج......قلم! ہاں تُو کتنا عظیم ہے......

او قلم !......اے قلم ...... آ قلم ......تُو میری قلمرو میں آ ......مَیں تیرا سنگھار تو

کروں ......تیری فرماں روائی کتنی بڑی......مَیں وہاں تک کیسے پہنچوں......آ ......ذرا آ ......آ جا تو سہی ......مَیں تجھ سے ذرا پیار تو کروں ......نظریں اُٹھا......ذرا پلکیں کھول ......مَیں تھوڑا سا دیدار تو کروں ...... جاں بلب کو ذرا لب تو بتا......کھلتی کلی سا منہ تو دکھا ......اپنی زبان ذرا وا تو کر ...... اِذن، اجازت، عطا ہو رختِ گفتار......مَیں بھی تو کچھ بات کروں ......آ جا......سما جا......میری نس نس میں بن بن میں رہ......انگ انگ میں گھر کر......اپنی جاں بھی فدا تو کروں......آہ! قلم تُو کتنا عظیم ہے......کتنا حسین ہے......

قلم! تجھ میں وہ عظیم قوت ہے......جو سلطان کو سرنگوں ......سرنگوں کو سلطان کر دے......زیردستوں کو زبردست ......زبردست کو زیردست کر دے......تلوار کو نیام سے باہر...... باہر لہراتی تلوار کو نیام میں جانے پر مجبور کر دے...... چنگاری کو شعلوں کا روپ دے سکتی ہے......بھڑکتے شعلوں کو یک لخت سرد بھی کر سکتی ہے......چاہے تو آگ بھی اُگل سکتی ہے...... برستی آگ کو گلِ گلزار بھی بنا سکتی ہے......جی ہاں! تُو درد بھی ہے...... دوا بھی ......تُو مرض بھی ہے......علاج بھی ......تُو ناگ بھی ہے، سپیرا بھی ......تُو زہر بھی ہے......تریاق بھی ......تُو آبگینہ بھی ہے......پتھر بھی ......تُو خوش بو بھی ہے......تعفن بھی ......تُو آفت بھی ہے......راحت بھی ......تُو بلند بھی ہے...... پست بھی ......تُو رفیق بھی ہے......رقیب بھی ......تُو وفا شناس بھی ہے...... بے وفا بھی ......تُو ہم درد بھی ہے...... بے درد بھی ......تُو زخم بھی ہے......مرہم بھی ......تُو نرم بھی ہے......کرخت بھی......تُو محبت بھی ہے......نفرت بھی......تُو یک جائی بھی ہے...... ہرجائی بھی ......تُو یک رُخا بھی ہے......دو رُخا بھی ......تُو مداری بھی ہے......ٹھٹھیرا بھی ...... ہاں! تُو بہروپیا ہے ......تیرے کتنے روپ ہیں......ایک نہیں ...... ہزار چہرے ہیں......

او قلم !......میرا قلم ......تُو شہد بن......نیم کی تلخی ......حنظل کی کڑواہٹ مت بن ......تُو مصری کی ڈلی بن ......بِس کی گانٹھیں مت بن ......تُو پھول بن ......کلی بن

......خوش بو بن...... جا، پھیل جا...... جہاں جا...... ہر ایک کو معطر کر دے......تُو قرنی کا عشق بن جا...... بوصیری کا سوز بن جا...... جا، جا کر ہر دل میں اُتر جا......تُو ضحک بن...... مسکراہٹ بن......رعونت، خشونت، تقشّف مت بن...... باادب بن...... گستاخ تُو قطعاً مت بن...... جا بن بن کر سنور جا...... جا سنور سنور کر بن جا......خدا کرے......تجھ کو جسمِ مصطفیٰ کا دھون ملے...... پائے مصطفیٰ کا اُترن ملے......کوئے مصطفیٰ کا بُہارَن ملے......

الٰہی! توبہ میری......قدرت تیری......التجا میری......رحمت تیری۔

☆ ☆ ☆

پہلی، دوسری، تیسری شناخت

انسان کی پہلی شناخت چہرہ ہے...... دوسری شناخت لباس...... تیسری شناخت زبان...... اِن تین باتوں کا خوب خیال رکھیے...... یہ آپ کی شناخت ہیں...... اِن ہی سے آپ کی قدر و قیمت کا درجہ متعین کیا جائے گا...... چہرہ پہلے تو شرعی ہو...... پاک و صاف ہو...... آنکھوں میں سرمہ ہو...... ناک و دانت خوب صاف و شفاف ہو......لبِ بالا پر جو بال ہیں......یعنی مونچھیں......ترشوایئے...... اِتنا نہ بڑھایئے...... کہ آپ سِکھ دِکھیں......سادھو نظر آئیں......نہ ایسا چھلوایئے......کہ اَمرد لگیں...... یا خنثیٰ معلوم ہوں...... بالائی لب کے بال کا منہ میں آنا، گرنا سخت مکروہ ہے......داڑھی ایک مُشت ہی ہے......نہ اتنی کٹوایئے......فرنچ کٹ معلوم ہو......نہ اتنی بڑھایئے......ناف تک پہنچے......مونچھ، داڑھی، سر کے بالوں میں کنگھا بھی کیجیے...... چاہیے تو سر میں سیدھی مانگ بھی نکالیے...... چہرہ آپ کا پرفیکٹ نظر آئے...... آپ خوب صورت دکھائی دیں گے...... یاد رکھیے......سر کے بال نہ چھلوایئے......کہ خشک ٹیلہ یا چٹیل میدان لگے......یہ فطرت کے خلاف ہے......حُسن کے بھی خلاف ہے......ہاں جوئیں،

کھٹمل، کھجلی یا کوئی مرض ہو......تو کوئی حرج نہیں...... بلکہ کبھی ضروری بھی ہوسکتا ہے......چاہیے تو ایک بار سالانہ موسمِ برسات میں مکمل چھلوایئے......ہونے والے عوارض و امراض سے دور رہیے...... یہ جو مونچھ داڑھی روز روز چھلواتے ہیں......اس سے پرہیز کیجیے...... یہ حرام ہے......سولہ سترہ کی عمر زندگی میں ایک ہی بار آتی ہے......روز سترہ سالہ بانکا سجیلا بننے کی کوشش مت کیجیے، یہ روز کا معمول اسراف بھی ہے...... یہ بھی حرام ہے......فطری حُسن کو چھیڑیئے مت...... بگاڑیئے مت......

لباس آپ کی دوسری شناخت ہے......اسلام میں گو لباس کوڈ نہیں...... کچھ بھی پہن سکتے ہیں......سفید کرتا پائجامہ زیادہ محبوب و مرغوب ہے...... پینٹ پائجامہ ٹخنے تک پہنیے...... نہ نیچے، نہ اوپر...... نیچے کرنا معیوب بھی ہے......تکبّر بھی...... یاد رکھیے......تکبّر ہر حال میں حرام ہے......اوپر کرنا وضع لباس کے خلاف ہے......حُسن کے بھی خلاف ہے...... آستین اور سینے کا بٹن دھیان سے بند رکھیے...... آستین چڑھانے، سینے کا بٹن کھلا رہنے سے انسان بالکل ہونّق، بدمزاج، حواس باختہ دکھائی دیتا ہے...... دیکھنے والا تأثر کے بجائے تنفر محسوس کرتا ہے......لباس معمولی ہو یا قیمتی...... مقصد ستر پوشی ہو...... فیشن نمائش نہ ہو...... تزئین بھی نہ ہو......لباس زرق برق، بھڑکیلا، شوخ رنگ نہ ہو......خوش رنگ، جاذب، دُھلا ہوا پاک صاف ضرور ہو...... یاد رکھیے...... پاکیزگی، نفاست، نصف ایمان ہے......لباس، مرد مردانہ پہنیں......عورتیں زنانہ پہنیں......ایک دوسرے کا لباس نہ پہنیں......اس کی ممانعت آئی ہے......

زبان آپ کی تیسری شناخت ہے...... یہ خدا کی بڑی قیمتی نعمت ہے......اس کی خوب حفاظت کیجیے......زبان موم کی طرح نرم......شہد کی طرح میٹھی...... برف کی طرح ٹھنڈی استعمال ہو......تلوار کی کاٹ...... کانٹے کی چبھن...... حنظل کی کڑواہٹ زبان میں ہرگز مت لایئے......سنگ و آہن کی طرح سخت مت بنایئے...... جہاں

جایئے ...... جب بولیے......ضرورت بھر نپی تلی بات کیجیے......فضولیات،فواحش، بے
کار باتوں سے خود کو بچایئے......الفاظ آسان ...... جملے برمحل......لہجہ چست اپنایئے
...... مدّعا کے اظہار میں نڈر ......مگر مہذب رہیے......خوف، ہراس، شرم، جھجک،
ہچکچاہٹ پاس پھٹکنے مت دیجیے......جھوٹ، غلط بیانی پہلی فرصت میں پامال کر دیجیے
......خوشامد، تملق، چاپلوسی، منہ دیکھا دیکھی بات مردود ٹھہرایئے ...... خلوص، ایثار،
ہمدردی، دیانت، ایمان داری، حق گوئی، فرض شناسی، محنت، جفا کشی کا بھرپور مظاہرہ
کیجیے...... یاد رکھیے......فیوی کول کی طرح زبان سے لوگوں کو جوڑیئے......ہتھوڑے کی
طرح توڑیئے مت ...... ہاں! بوقتِ ضرورت عقاب کی طرح جھپٹ پڑیئے......مڑ کر
پیچھے قطعاً نہ دیکھیے ......حق کے لیے ضرور لڑیئے......ناحق نہ لڑیئے......نہ لڑایئے......

چہرہ، لباس، زبان ...... یہ آپ کی مکمل شناخت (Perfect Identification)
ہے......اس کو گرہ میں باندھ لیجیے ...... ہاں یہ نہ بھولیے...... چہرہ، لباس، زبان کے
ایشو میں جو میں نے لکھا ہے...... اُسے سُنّت سمجھ کر برتیے ......شریعت کے دائرے
میں رہیے......دوہرا ثواب کمایئے ......ڈبل اجر لوٹیے ...... یہ بونس ہے بونس۔

☆ ☆ ☆

دین کا سچا خادم کون......؟

اہلِ خانقاہ کا دعویٰ ہے ...... دین ہمارے دم قدم سے آباد ہے ...... ہم نہ
ہوتے ......تو یہ نذرِ خزاں ہو کر ویران ہو جاتا ...... اس لیے کہ تصوف و طریقت ......
معرفتِ الٰہی کا تمام تر سرچشمہ خانقاہ ہی ہے......گو آج کل کچھ خانقاہ خواہ مخواہ بھی ہے
...... یا خانقاہ بمعنی کھانے پینے کا ہے......مگر جو اصل خانقاہ ہے......اس کی دعوے داری
شبہہ سے بالاتر ہے...... اگرچہ اس میں مکمل سچائی نہ ہو......لیکن کچھ نہ کچھ صداقت تو

ضرور ہے......لہٰذا اہلِ خانقاہ کا دعویٰ بالکل خارج نہیں کیا جا سکتا......

ابھی یہ مذکورہ دعویٰ زیرِ بحث تھا ہی ...... اربابِ مدارس اپنا استغاثہ لے کر
حاضر ہو گئے ......اُن کی زبردست دلیل ہے...... دینی علوم کے سارے سوتے مدرسوں
سے اُبلتے ہیں...... دین ہم سے زندہ ہے......نورِ علم کی روشنی آبادیوں میں ہم پہنچاتے
ہیں ...... دن رات محنت کرتے ہیں ......علما، فقہا، ادیب، خطیب، شاعر، امام ہم پیدا
کرتے ہیں ......ہم نہ ہوتے ......تو مدرسے، مسجدیں ...... خانقاہیں ......درگاہیں......
بارگاہیں ...... دارالافتا......دارالقضا......سب کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتے ......اس
لیے دین کی بقا کے ضامن صرف اور صرف مدارس و اہلِ مدارس ہیں ......اس استغاثہ
میں بھی جھول ہے، صداقت تو ہے ......مگر جرح سے باہر نہیں ...... جب کہ بہت سے
مدرسے علم کے اڈّے نہیں ...... چندہ بازی، چندہ خوری کے ڈیرے بھی ہیں ......لہٰذا یہ
استغاثہ ابھی زیرِ غور ہے...... لیجیے ابھی پہلو نہیں بدلا......خطیبوں کا طبقہ ہلّہ بول دستہ کی
طرح دندناتے آیا......کھنکھناتے یہ مقدمہ دائر کر دیا......ہم دن بھر سفر کرتے ہیں ......
پانی پوری......بھیل پوری......مونگ پھلی، مسالے دار کچے کچے چنے......سموسے کھاتے
پیتے وستے ہیں ......رات بھر تقریر کرتے ہیں ......لوگوں کو دین سکھاتے ہیں ......اسلام
بتاتے ہیں ......ایمان، عقیدہ، عمل کی کھیتیاں پسینے بہا بہا کر سیراب کرتے ہیں ......اس
لیے دین کی بہار ہم سے قائم ہے......ہم دین کے سنگھار ہیں ......

مقدّمہ بھاری ہے......دلیل بڑی وزنی ہے......مگر کامل صداقت کی آئینہ دار
نہیں ہے ......پیشگی زادِ راہ کی موٹی رقم کہاں گئی؟ ......مونگ پھلی پھانکنے کون کہا تھا؟
......کرایہ فرسٹ کلاس اے۔سی کا دیا...... جنرل کا ٹکٹ کیوں لیا؟......مرغا کھایا......بکرا
توڑا......قورمہ پلاؤ، بریانی اُڑائی ......موٹا لفافہ وصول کیا ...... فی سبیل اللہ تھوڑے ہی
آیا......مفت کی تقریر تو کی نہیں ......اس لیے مقدمہ ملتوی......اگلی سماعت دو ہفتے بعد ہوگی۔

عدالت برخاست ہونے والی تھی اتنے میں ائمہ کرام منہ بسورتے آ گئے ......
عرضی داخل کی......ہم خدا خانوں میں رہتے ہیں......عبادت خانوں کی رونق ہیں ......
نماز گاہوں کے امام ہیں......نمازیں پڑھاتے ہیں......عبادتیں کراتے ہیں......مسائل
بتاتے ہیں ...... ہر جمعہ تقریر کرتے ہیں ...... بڑی راتوں میں جم کر خطاب کرتے ہیں
......بچوں کو پڑھاتے ہیں...... ہر جمعرات کو گھروں میں فاتحہ پڑھتے ہیں......نمازِ جنازہ
کی امامت کرتے ہیں......کبھی تو غسل بھی دیتے ہیں......محرم، ربیع الاوّل، ربیع الآخر
میں تو تقریر کر کر کے......فاتحہ پڑھ پڑھ کے......حلق پھول جاتا ہے......آواز بیٹھ جاتی
ہے...... پاؤں ورما جاتے ہیں ...... پیرانِ کرام آتے ہیں ...... بوریاں بھر بھر کر لے
جاتے ہیں ......مقررین عظام آتے ہیں ...... بریف کیس بھر بھر کر لوٹتے ہیں ......
مدرسے والے آتے ہیں......ایک ہی مہینے میں کئی جھولیاں بھر لیتے ہیں......ہم چوبیس
گھنٹے خدمت کرتے ہیں......ڈھائی تین ہزار پاتے ہیں......سال بھر میں صرف چھتیس
ہزار...... کہیے محنت زیادہ......اُجرت کم......ہم سے زیادہ مظلوم کون؟......ہم نہ ہوں
......تو مسجدوں کے دروازوں پر تالے نہ پڑ جائیں......لہٰذا دین کے سچے خادم ہم ہیں
......ائمہ تو ائمہ ہیں......اُن کی نیتوں یا باتوں پر اگر شک کریں......تو پھر اُن کی اقتدا میں
ہماری نماز درست کیسے ہوگی؟......مگر اُن کے کانوں سے منھ لگا کر...... پوچھا جاسکتا ہے
......حلق پھلایا......آواز بٹھائی...... پاؤں ورمایا......دن رات خدمت کی، اپنی جگہ ٹھیک
......لیکن نذرانے کس نے بٹورے؟ اوپر نیچے جیبیں کس کی گرم کی؟ لہٰذا فیصلہ فی الفور
نہیں ہوسکتا......بمبئی کی زبان میں دیکھیں گے ...... عدالت برخاست ہوگئی......
باحث، فیصل سب باہر...... باہر جو دیکھا......اپیل کرنے والوں کی ایک لمبی قطار ہے
......اس میں خصوصیت کے ساتھ مصنفین بھی ہیں...... محققین بھی ہیں......دانش وران
بھی ہیں......ادبا و شعرا بھی ہیں......سب کو یہ کہہ کر لوٹا دیا گیا......حکومت کی طرف سے

دو مہینے کی چھٹی ہے ......چھٹی گزار کر دو مہینے بعد آئیں ......لیکن دین کے جن چار
گروہوں کے مقدموں کی ساعت ہوئی ......اور بحث ہوئی اُن کا فیصلہ بحق فیصل فی
الوقت محفوظ ہے......اب تو چھٹی کے بعد ہی کچھ ہوگا...... جب تک قارئین وسامعین کا
ردّعمل بھی سامنے آئے گا......بحیثیت قاری ہم بھی یہ حق محفوظ رکھتے ہیں......لیکن بہتر
یہ ہے......کسی ایک کے حق میں رائے دے کر......کوئی کسی کو اپنا دشمن کیوں بنائے......
زمانے کا چلن یہی ہے......سب کو خوش رکھنا چاہیے......گرچہ یہ بالکل غلط ہے۔

☆ ☆ ☆

مضمون کیسے لکھیں؟

مضمون یوں لکھیے ......جیسے آپ بولتے ہیں......یعنی تصنع سے پاک، بناوٹ
سے پاک، سجاوٹ سے پاک...... بے لچک، بے جھجک، بے تکلف، مضمون نویسی فی
نفسہٖ مشکل نہیں......مشکل بنائی جاتی ہے......جب کہ یہ ایک آسان فن ہے......سادگی
خود ایک حُسن ہے......اسے نہ چھیڑیئے......نہ کریدیئے......چھیڑ چھاڑ مزاجِ حُسن کے
خلاف ہے......دیکھیے پھولوں کا حُسن دیکھنے، لطف اُٹھانے کی حد تک ہے......چھونے،
مسلنے کے لیے نہیں......چھونے، مسلنے سے حُسن تو حُسن، پھول ہی پامال ہوجائے گا......
یہی حال مضمون کا ہے......وہ سادگی، برجستگی چاہتا ہے......نہ تزئین و پُرکاری...... جو
کچھ آپ لکھنا چاہیں...... پہلے اُس کی ایک ذہنی تصویر بنایئے......پھر اُسی تصویر کو لفظوں
کا پیرہن پہنا دیجیے......قلم اُٹھایئے......ذہنی خاکے میں رنگ بھرتے چلے جایئے......
اِس کے لیے مصور کا موئے قلم مستعار لینے کی ضرورت نہیں......بس وہی جو اپنے ہاتھ
میں ہے، اسی سے......یعنی آپ کسی کی نقل اُتارنے کی کوشش نہ کیجیے......نہ اسلوب کی،
نہ الفاظ کی، نہ تعبیرات کی......آپ کا اپنا اسلوب ہے......اپنے لفظوں میں لکھیے......

اپنی تعبیرات میں کہیے.....لفظیات نہ چُنیے.....آسان لفظوں میں لکھیے ...... جملے بھی دو لفظی، تین لفظی لکھیے......صلہ موصول، جار مجرور، ظرف مظروف کا خیال رکھیے...... جملہ لمبا ہو.....تو، توڑ توڑ کر چھوٹا کیجیے......دیکھیے ......انگور، جامن کھانے میں دقت نہیں، چاقو کی ضرورت نہیں، چھیلنے کاٹنے کی ضرورت نہیں، دھو دیجیے، کھا لیے......لیکن سیب، امرود میں یہ بات نہیں ...... دھوئیے، چھیلیے ......کاٹیے ......تب کھائیے......اس میں تکلّف ہے.....سالم کھائیں گے......تو اور تکلّف ہے......بس یہی صورت جملوں کی ہے...... جملہ چھوٹا ہوگا.....آسان ہوگا.....نگاہ میں جچے گا بھی، ذہن فوراً قبول کرے گا بھی......تأثر بھی قائم ہوگا......تاثیر بھی پیدا ہوگی ...... کہیے، مضمون لکھنے کی غرض اس کے سوا اور کیا ہے......

آپ بہت بڑے ہیں .....ٹھیک ہے.......تسلیم،......آپ اپنے لیے تو نہیں لکھتے......اگر اپنے لیے ہے......تو مت لکھیے ...... لکھنے کی ضرورت نہیں ......آپ کے اندر تو ہے ہی ...... رہنے دیجیے ......نکالنے کی زحمت نہ اُٹھائیے ......اگر آپ اپنے جیسوں کے لیے لکھتے ہیں......تو آپ جیسے کتنے ہیں ......پھر یہ کہ آپ جیسا، جب آپ سا ہی ہے ......تو اس کو آپ کی ضرورت کیا، وہ تو خود ہی مردِ میدان ہے ...... دیکھیے غالبؔ جب تک مشکل پسند رہا......اُس کی لکھت سر سے گئی ...... جب آسان لکھا...... ہاتھوں ہاتھ لیا گیا......بات وہی ہے......سادگی خود ایک حُسن ہے......اُسے نہ چھیڑیئے ......سادہ لکھیے ...... سلیس لکھیے ......آسان لکھیے ......تاکہ آپ عام حلقوں تک پہنچ سکیں ......لکھنے کی غرض ہی عام آدمیوں تک ابلاغ ہے......ابلاغ جتنا وسیع ہوگا......اتنا ہی آپ کامیاب ہوں گے......لہٰذا ابلاغ سامنے رکھیے، اظہارِ صلاحیت نہیں ...... جتانا، بگھاڑنا صلاحیت کی دلیل نہیں......صلاحیت یہ نہیں......کہ بات سر سے گذر جائے...... صلاحیت یہ ہے......کہ بات ہر دل میں گھر کر لے......

جب آپ اردو میں لکھتے ہیں......تو اردو میں لکھیے ......عربی، فارسی مت لکھیے ......دیکھیے! ابوالکلام آزاد اردو لکھنے کی کوشش میں ...... ہمیشہ عربی فارسی لکھتے رہے...... قریب یہی حال ابوالحسن علی ندوی کا ہے......اردو خود ایک زرخیز زبان ہے......اس میں سلاست ہے......سبک پن ہے ......کھلکھلاہٹ ہے ...... یہ صحیح ہے کہ عربی، فارسی، ہندی الفاظ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اردو میں موجود ہے......لیکن کوئی زبان دوسری زبان سے مبرّا نہیں ......خود عربی، فارسی میں بھی اردو کے بہت سے الفاظ دخیل ہو چکے ہیں ......اردو کے مزاج میں محبت ہے......اپنائیت ہے...... ہلکا پن ہے......ثقالت، بوجھل پن نہیں ہے ......مشکل الفاظ نہ اپنائیے ...... گاڑھی ترکیب نہ برتیے ...... جہاں تک ہو سکے......اردو کو اردو کے دائرے میں رکھیے ...... یہ صحیح ہے......عربی یا فارسی لفظوں، ترکیبوں، تعبیروں، بندشوں سے عبارت میں چاشنی، رنگینی، دل کشی آ جاتی ہے......مگر یہ بات اردو الفاظ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے......چاہیں، تو آپ اپنی تحریر کو ایک نمک پارہ، شکر پارہ بنا سکتے ہیں......بلکہ ایک محبت محل، آتش کدہ بنا سکتے ہیں......

دراصل بات یہ ہے......نثر کی کئی قسمیں ہیں......اسلوب بھی مختلف ہے...... اسلوبِ نثر کے اوّل سرے پر اگر علمی نثر ہے......تو دوسرے سرے پر انشائیہ ہے...... درمیان میں تحقیقی نثر، علمی نثر، توضیحی نثر، بیانیہ نثر، تأثراتی نثر، انانیتی نثر، مزاحیہ نثر، طنزیہ نثر، فکاہیہ نثر وغیرہ ہے......سادہ نثر، رنگین نثر، مرصّع نثر، مقفیٰ نثر، مسجع نثر بھی نثر ہی کی قسمیں ہیں......ان میں سے ہر ایک اپنی ہیئت، ساخت، کینوس، موضوع، مواد کے اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہے......علمی نثر میں اظہارِ علمیت کسی حد تک جائز ہے کیوں کہ یہ نثر خالص علمی حلقے کے لیے لکھی جاتی ہے......اس کا موضوع دقیق بھی ہو سکتا ہے...... بلکہ بالعموم ہوتا بھی ہے......تحقیقی نثر میں نہ تو علمیت بگھاری جا سکتی ہے......نہ رنگین بیانی، نہ عبارات آرائی کی گنجائش ہوتی ہے ......بس چاہیے کہ اپنی معلومات و

مطالعات اورنو دریافت شدہ موادکوآپ دواور دوچار کے انداز میں قارئین کے سامنے رکھ دیں ...... بقیہ اقسامِ نثر میں لکھنے والا آزاد ہوتا ہے...... سب سے زیادہ آزادی انشائیہ میں ہے......لیکن تحریر کی وہ خوبی جو جامعیت، اختصار کہلاتی ہے......اُسے ہاتھ سے نہ چھوڑیئے......مفہوم کی ادائیگی کے لیے جتنے لفظوں یا جملوں کی ضرورت ہے...... اُن سے زائد کا استعمال ہی حشو وزوائد کہلاتا ہے...... اِس جوہر کا خوب خیال رکھنے کی پابندی کیجیے......تحریر کی اصل خوبی تأثر اوراثر پذیری ہے...... اِس جوہر کا خوب خیال رکھیے......مدّعا کا اظہار کھل کر کیجیے......مگر ادب کے دائرے میں رہ کر...... جارحیت، انانیت، پھکّڑپن، مسخرگی سے تحریر کی روح مرچکی ہوتی ہے......محبت، اپنائیت، دعوتِ دردمندی کا انداز اپنانے سے تحریر کی جان ہری ہوتی ہے......اور یہ تنفر کی بجائے تأثر قائم کرتی ہے......اور یہی کمال کامیابی کی دلیل بھی ہے۔

☆ ☆ ☆

ملک کو آزاد کس نے کرایا؟

سیاست دانوں کا کہنا ہے......ملک کی آزادی ہماری بے لاگ کوششوں کا نتیجہ ہے......ہم نے تحریک چلائی......تجویز پیش کی......ریزولوشن پاس کرایا......بڑے بڑے اجلاس بلائے......تقریریں کیں......آواز اُٹھائی......احتجاج کیا......ممبئی کی زمین گواہ ہے ......یہیں سے ہندوستان چھوڑو تحریک، کا پرزور نعرہ بلند کیا......ستیہ گرہ کیا......آندولن چلایا ......جیلیں بھریں......گرفتاریاں دیں......گولیاں کھائیں......جسموں کو چھلنی کیا...... عوام کو بیدار کیا......بڈّھی برطانیہ کے اہل کاروں کی نیندیں حرام کیں......خفیہ دستے تیار کیے......اعلانیہ مارچ کیا......راتوں رات اسکیم بنائی......دنوں دن کارندوں تک پہنچایا......خاک وخون میں ہم تڑپے......پانی کے قطروں کو ہم ترسے......لہو کی ندیاں

ہم نے عبور کیں......کانٹوں کی راہ ہم چلے......شعلوں کی برسات ہم پر ہوئی......آج جو یہ ترنگا جھنڈا بھارت کے ماتھے پر......لال قلعہ کی فصیل پر لہرارہا ہے......یہ ہماری دین ہے......ملک آزاد ہے......بہار کا زمانہ ہے......ہماری کاوش ہے......یہ چمن ہمارا سینچا ہوا ہے......یہ گلشن ہمارا آباد کیا ہوا ہے......یہ نگارخانہ ہمارا سجایا ہوا ہے......

علمائے دین کا فرمانا ہے......ملک ہمارا تھا......حکمراں ہم تھے......ہمارے آبا واجداد نے ہزار سال حکومت کی تھی...... ہر طرح سے سجایا تھا......سوجتن سے سنوارا تھا ......باغ باں ہم تھے...... ہر پھول پر ہمارا حق تھا......باپ کا گھر تھا......بیٹوں کا حق تھا ......دادا کی میراث تھی...... پوتوں کی وراثت تھی......انگریز نے غصب کیا......غضب کیا ......ہڑپ لیا......ظلم ڈھایا......قہر توڑا......حق سے منھ موڑا......ناحق قیامت ڈھائی ......گھر والوں کو زبردستی بے دخل کیا......خود مالک مکان بن بیٹھا......چوں کہ گھر ہمارا تھا......ہماری وراثت تھی......حکومت تھی......دل ہمارا جلتا تھا......دماغ ہمارا کھولتا تھا ......خون ہمارا اُبلتا تھا......ہے......کون ہے جو اپنے غاصب کو ہٹانے......ظالم کو مٹانے ......دشمن کو بھگانے کی جدوجہد نہ کرے...... کیوں کہ وہ ہماری نظر میں کانٹا تھا......ہم اُس کی نگاہ کے کانٹے تھے......وہ ہمیں خار لگتا تھا......ہم اُس کو خار لگتے تھے......اُس کو یہ بھی معلوم تھا......آزادی کی آواز ہم ہی بلند کریں گے......تحریکِ حریت ہم ہی سے شروع ہوگی......اُس کو یہ خدشہ تھا، کھٹکا تھا......دھڑکا لگا رہتا تھا......جو اپنی جگہ سچ بھی تھا ......اس لیے اُس نے پہلے ہمیں گھر سے بے گھر کیا...... بے در کیا......زمین داریاں چھین لیں......جاگیریں ضبط کیں......امارتیں ٹوٹیں......ریاستیں توڑیں......تخت و تاج پر قبضہ کیا......مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں کو ویران کیا......سولیوں پر چڑھایا...... صف بہ صف، قطار در قطار علما کو گولیوں سے بھون دیا......کالا پانی کی سزائیں دیں...... کون سا ظلم تھا......جو اُس نے نہیں ڈھایا......کون سا حربہ تھا......جو اُس نے نہیں آزمایا

......دراصل جنگِ آزادی کے بنیاد گزار ہم ہیں ......اسی بنیاد پر اوروں نے بھی کام شروع کیا......تو ہم ہر موڑ پر پیش پیش رہے، شانہ بہ شانہ رہے......لوگوں نے غدّاری ضرور کی...... ہماری وفاداری پر کوئی انگلی نہیں اُٹھا سکتا......جب، جہاں ضرورت پڑی ......جان و مال کی قربانی دی......اوّل و آخر ہم ہی آزادی کے ہیرو ہیں......اخبار نویسوں کا ماننا ہے ......ہم نے ملک کی آزادی میں بڑا اہم کردار ادا کیا......خبریں بنائیں ......خبریں لکھیں......خبریں چھاپیں......ملک کے طول و عرض میں پھیلائیں ......اہلِ نظر کو باخبر کیا......عوام کو بیدار کیا......ہم نہ ہوتے......تو لیڈروں کے لکچرز...... مقرروں کی تقریریں......محرکوں کی تحریکیں......مجوزوں کی تجویزیں......ادیبوں کے بیانات......خطیبوں کے خیالات......نظم نگاروں کی نظمیں......مفکروں کے افکار...... مدبروں کی تدبیریں......کیوں کر چھپتیں......کیوں کر بٹتیں......ملک کے کونے کونے تک کیوں کر پہنچتیں......لہٰذا جنگِ آزادی میں ہمارا رول ناقابلِ فراموش ہے......

شاعروں، نظم نگاروں کا کہنا ہے......ہم نے شاعری کی......مشاعرے کیے ......نظمیں لکھیں ...... ہندوستانیوں کے جذبوں کو جگایا......خفتہ قوم کو بیدار کیا...... جوانوں کو جھنجھوڑا......مجاہدوں کو اُبھارا......لیڈروں کی ڈھارس بندھائی......خطیبوں کو جوش دلایا......عوام کو حوصلہ دیا......ہماری ہی نظم نگاری تھی......نظم خوانی تھی......جس نے بچوں تک کے خون کو گرما دیا......عورتوں تک کو میدانِ جنگ میں لا اُتارا......ہم حرم میں گئے......سجدے کیے......دعائیں کیں......دَیر میں پہنچے......آرتی اُتاری......سنکھ پھونکا......گھنٹی بجائی......پوجا کی......گردواروں میں گئے......ہری ہری، ست کال کے نعرے لگائے......غرضیکہ ہم نے، ہماری شاعری نے، ہمارے مشاعروں نے، ہمارے نظم نگاروں نے ملک کے ہر حصے میں تحریکِ آزادی کی روح پھونک دی......آگ لگا دی......شعلے بھڑکا دیئے......سب کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا......ہم نہ ہوتے......

تو؟......اس لیے ملک کی آزادی میں ہم سب سے بڑے حصے دار ہیں......

ایسی ایسی ٹولیاں ابھی اور بھی بہت ہیں ...... جو اپنی اپنی ڈفلیاں بجاتی ہیں ......اور جیالے مردانِ کار ہیں ...... جو پرچمِ حریت اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھامے کھڑے ہیں......اِس میں کوئی دورائے نہیں......آزادی کی تحریک میں ہر گروہ کا حصہ ہے......لیکن علمائے دین کی قربانیاں سب سے زیادہ ہیں......اس لیے کہ کوئی سیاست داں......کوئی لیڈر......کوئی صحافی......کوئی شاعر......کوئی نظم نگار......کوئی مشاعرہ باز ......نہ اتنی گولیاں کھائیں......جو علما نے کھائیں......نہ اتنے سولیوں پہ چڑھے......جو علما کو دی گئیں......تختۂ دار پہ چڑھائے گئے......نہ کسی کو اتنی ہتھ کڑیاں، بیڑیاں پہنائی گئیں جو علما کو پہنائی گئیں......نہ کوئی کالا پانی گیا......نہ کسی نے ہجرت کی......نہ کوئی فلسطین میں دفن ہوا...... یہ علما ہی تھے...... جو اپنا گھر پھونک پھونک کر......جنگِ آزادی کا تماشہ دیکھتے رہے......مرغِ بسمل کی طرح تڑپتے رہے......ترستے رہے...... بالآخر یہ ملک آزاد ہوا......آزاد ملک میں سانس لینے والوں کو چاہیے کہ وہ اُن کو ضرور یاد کریں خراجِ عقیدت پیش کریں......اُن کی قبروں پر دیئے جلائیں......فاتحہ پڑھیں۔

☆ ☆ ☆

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اقلیتی کردار

سر سید احمد خان دہلی میں پیدا ہوئے......والدین چشتی تھے......سُنّی تھے...... حنفی تھے......معمولاتِ اہلِ سُنّت کے قائل تھے......عامل تھے......سید احمد کو بھی اِن باتوں کا اعتراف ہے......سید احمد نے ہندوستان میں پڑھا...... یورپ میں پڑھا...... ہندوستان آ کر برطانوی حکومت کی ملازمت کی ......تاجِ برطانیہ نے اُن کو 'سر' کا خطاب دیا......سید احمد خان سے وہ 'سر سید' ہو گئے......غازی پور میں انہوں نے "مدرسۃ

العلوم مسلمانان' قائم کیا...... جہاں وہ انگریز گورنمنٹ کی نوکری کرتے تھے......ایک
دن وہ آیا ...... یہی مدرسۃ العلوم، علی گڑھ آ کر یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا......
یونیورسٹی کو جہاں بڑھی برطانیہ کا تعاون حاصل رہا...... وہیں ہندوستان بھر کے نوابوں،
امیروں، زمین داروں کا زبردست تعاون ملا......زمینیں ملیں......سرمایہ ملا......طلبا ملے
......مسلمانوں نے ہر طرح مالی و اخلاقی امداد و اعانت کا مظاہرہ کیا...... کہیے، تو یونیورسٹی
مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں کا حسین ثمرہ ہے...... یہ اور بات ہے ......سرسید اپنے
آبائی موروثی عقیدے سے انحراف کر گئے ...... ایک نئے گروہ نیچری کے بانی، قائد،
حامی کہلائے......نظریاتی تصادم کے باوجود مسلمانوں نے یونیورسٹی سے اپنا ناطہ نہیں
توڑا......نیچریت تو دفن ہوگئی...... یونیورسٹی آج بھی باقی ہے اور باقی رہے گی......

انگریز گورنمنٹ جہاں تمام مدرسوں، مسجدوں، خانقاہوں، نوابیوں، زمین داریوں
...... جاگیرداریوں......معافی گزاریوں کی بنیاد کھود کھود کر اُکھاڑ پھینک رہی تھی ......
وہیں مسلم یونیورسٹی سے درپردہ یا کھلے عام خوب ہمدردی رکھتی تھی ......اہلِ نظر جانتے
تھے...... یہ ہمدردی کیوں تھی...... تمھیں کھولنے کی یہاں گنجائش نہیں......۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء
میں جب آزادیِ ہند کی باتیں بلند ہوئیں ......تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ عدم تعاون
شروع ہوئی ...... یہ تحریکیں انگریز مخالف تھیں ......تو علی گڑھ یونیورسٹی بھی زد میں
آئی......انگریز کی جو قہر آلود نظر مدرسوں، خانقاہوں پر پڑتی تھی...... ہندوؤں کی قہر آلود
نظر علی گڑھ یونیورسٹی پر پڑی......اسلامیہ کالج لاہور پر پڑی...... اسلامیہ ہائی اسکول
لائل پور پر پڑی...... جتنے ادارے گورنمنٹ سے ملحق تھے اور مسلمانوں کے مفادات اُن
سے وابستہ تھے......چن چن کر اُن اداروں کو انگریز گورنمنٹ سے رشتۂ الحاق توڑنے
کے لیے کہا گیا...... بتاکید کہا گیا ...... چونکہ تحریک کا زور تھا...... مسلم اساتذہ، مسلم طلبا
سخت مخمصے میں تھے...... ہندو لیڈران تو پیش پیش تھے ہی...... مسلم قائدین تو اُن سے دو

قدم آگے تھے......مولینا ابوالکلام آزاد، مولینا محمود الحسن دیوبندی، مولانا محمد علی جوہر
وغیرہ نے تو علی گڑھ میں ڈیرہ ڈنڈا ہی ڈال دیا......اُن کی کوشش تھی......فوراً سے پیشتر
یونیورسٹی بند کرادی جائے......

ملک کے تمام علما، دارالعلوم، دارالافتا نے بھی فتویٰ دے دیا تھا......حکمِ شرعی سُنا
دیا تھا...... برطانوی حکومت سے تعاون جائز نہیں......اُن کے اداروں میں پڑھنا جائز
نہیں ...... پڑھانا جائز نہیں ......گرانٹ لینا جائز نہیں ......تنخواہ، پینشن لینا جائز نہیں
...... یہ جوش کا زمانہ تھا...... ہوش کا نہیں......خود بینی کا دور تھا......دور بینی کا نہیں......شیخ
اپنی اپنی دیکھ کا وقت تھا......سب کی دیکھ کا نہیں ...... جذباتی، طوفانی، مفاد پرست لوگ
صرف سامنے دیکھتے ہیں...... مدبروں، مفکروں کی نظر سامنے بھی ہوتی ہے...... ماورا نظر
بھی ہوتی ہے......وہ حال بھی دیکھتے ہیں...... مستقبل بھی دیکھتے ہیں...... جتنا وہ قریب
پر نظر رکھتے ہیں......اُتنا ہی وہ آنے والے وقت پر رکھتے ہیں......دارالافتا بریلی...... یہ
تنہا دارالافتا تھا......جس نے تحریکِ ترکِ موالات کی طوفانی لہروں کو بھی دیکھا ......
زیریں لہروں کا بھی جائزہ لیا......پھر یہ حکمِ شرعی بیان کیا......جس سے مسلم یونیورسٹی......
یا اِس نوع کے ادارے اُجڑنے، بکھرنے سے بال بال بچ گئے......فتاویٰ رضویہ میں ان
بحثوں کا مطالعہ کیجیے...... پھر دیکھیے مصنف علام امام احمد رضا نے کس خداداد بصیرت
سے فتاویٰ لکھے ہیں...... وہ کس رُتبے کے مدبر، مفکر، دور بیں، دور اندیش تھے......
انصاف سے دیکھیں......تو کہا جاسکتا ہے......امام احمد رضا مسلم یونیورسٹی کے محسن تھے۔

مسلم یونیورسٹی پر جو طوفان اُس وقت آیا تھا......وقفے وقفے سے آج بھی آتا
رہتا ہے...... اِن حالات نے تصدیق کردی ہے......اُن کے خدشات بے وجہ نہیں......
بالکل درست تھے......یہی نہیں، بلکہ اُس ہنگامی وقت میں جذبات میں آ کر لوگوں نے
بے راہ روی اختیار کرلی......امام احمد رضا نے بروقت رہنمائی کی...... بعد کے حالات

نے اُن کی ہر ہر بات کے صحیح ہونے کی شہادت دے دی...... ہندوستانی مسلم قائدین کا
اگر اس رخ سے مطالعہ کریں......تو امام احمد رضا ہی ہر مقام پر سب سے بڑے دور بیں،
دور اندیش، ہمدرد، دردمند، مدبّر، مفکر نظر آئیں گے۔

☆ ☆ ☆

امام ہٹاؤ تحریک

سب سے پہلے یہ واضح کر دوں ...... امام کی شان میں لفظ ''ہٹاؤ'' ذرا غیر
مناسب ہے...... یہاں عوامی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے......اس سے مناسب لفظ برطرف
کرنا ہے......دست بردار ہونا ہے...... یا مستعفی ہو جانا یا استعفیٰ لے لینا ہے...... چوں
کہ یہاں یہی رائج ہے......تکلف برطرف کوئی بُرا نہ مانیں...... یہ جملۂ معترضہ......یا
دفع دخل مقدر کے طور پر ہے...... مسجدوں کے ٹرسٹی لوگ اس تحریک کے بانی ہیں......
روح رواں ہیں......سرگرم ارکان و ممبران ہیں...... یہ بڑے مخلص لوگ ہیں......وہ امام
ہٹاؤ تحریک چلاتے ہیں...... ''امام ہٹاؤ'' مہم، مورچہ نکالتے ہیں......غلط عادت، کالے
کرتوت کے اماموں سے مسجدوں کو پاک کرتے ہیں...... کسی حد تک یہ درست کرتے
ہیں......ٹرسٹی لوگ یہ تحریک نہ چلاتے......تو نہ جانے کتنی مسجدیں سٹّے بازوں کے اڈّے
بن جاتیں......ٹرسٹی لوگ مسجدوں کو اپنی اصل حالت میں رکھنا، دیکھنا چاہتے ہیں...... یہ
ٹرسٹی لوگوں کا بڑا کارنامہ ہے......جو جہاد سے کم نہیں......اس لیے اُن کی یہ تحریک قابلِ
قدر بھی ہے......قابلِ شکر بھی......

ٹرسٹی لوگ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں......آسمانی مخلوق ہیں......دودھ کے
دُھلے دُھلائے ہیں......وہ جیسے ہیں......ویسے ہی امام چاہتے ہیں......اپنی پسند، مرضی
کے چاہتے ہیں......اُن کی یہ چاہت غلط بھی نہیں......ٹرسٹی لوگ جتنی اچھی، سچی، چکنی

چپڑی باتیں کرتے ہیں...... معلوم نہیں ہوتا......کہ وہ زمینی مخلوق ہیں......ایسا لگتا ہے
......آسمان سے ابھی ابھی اُتر رہے ہوں......اُن سے بھول یہ ہو گئی......کہ امام ساتھ
نہیں لائے......آسمانی امام لا بھی نہیں سکتے......مگر وہ ہوائی فضائی سفر تو کرتے ہی ہیں
......فضاؤں سے کوئی ہوا خور امام ضرور لا سکتے ہیں......جو اُن کی عین پسند کے ہوں گے
......مرضی کے مطابق بھی ہوں گے......ٹرسٹی لوگوں کو چاہیے......وہ ہوا خور امام تلاش
کر لیں اور یہ امام ہٹاؤ تحریک چھوڑ دیں...... بلا وجہ وہ اپنا وقت خراب کرتے ہیں......
مغز ماری کرتے ہیں...... یہ جدید دور ہے......کم وقت میں زیادہ کام ہوتا ہے......جلدی
جائیں......جلدی لائیں......اپنا یا کسی کا وقت خراب نہ کریں...... وقت کا ضائع کرنا
یوں بھی جائز نہیں......جب کہ دورِ حاضر میں وقت، پہلے سے زیادہ قیمتی ہو چکا ہے......

لوگ مال رکھتے ہیں......مسجدیں بنواتے ہیں......ٹرسٹی بن جاتے ہیں......
پھر وہ 'لوگ' سے 'ٹرسٹی لوگ' بن جاتے ہیں......پھر یہ ٹرسٹی لوگ وہی کرتے ہیں......جو
'دادا لوگ' 'بھائی لوگ' یا 'بابا لوگ' کرتے ہیں......مگر کچھ اِس انداز سے کرتے ہیں
......جو بظاہر بھلا، جائز، معقول معلوم ہوتا ہے......مگر ٹرسٹی لوگ کی یہ معقول دھاندلی،
امام لوگ کی غیر معقول دھاندلی، سے بڑھ کر نہیں......تو کم بھی نہیں۔

اگر ٹرسٹی لوگ چاہیں......اپنی معقول دھاندلی سے نجات مل جائے......امام
لوگ کی غیر معقول دھاندلی سے چھٹکارا مل جائے......تو وہ یوپی، بہار کے مدرسوں میں
چلے جائیں......دس سال پڑھیں......جلی جلی روٹی......اُبلا اُبلا چاول......پھیکی پھیکی
دال کھائیں......چٹائی پر بیٹھیں......چٹائی پر سوئیں......دن رات مطالعہ کریں......تب
بھی یاد نہ ہو......تو خوب جم کر ڈنڈے کھائیں......مرغا بنیں...... پھر ضروری نہیں 'عالم'
بن ہی جائیں......خدا کی توفیق سے بن بھی گئے......تو شہر شہر مسجد تلاش کریں......دامن
پھٹائیں......چپل گھسائیں......چہرے پر دھول اُڑائیں......کرایے کا پیسہ نہ ہو......تو

دوستوں سے اُدھار لیں......ٹرسٹی لوگ کے نخرے اُٹھائیں......ناز برداشت کریں......
انٹرویو پر انٹرویو دیں......دنیا بھر کی شرائط سنیں......خوب خوشامد، چاپلوسی، جی حضوری
کریں......تب کہیں جا کر ’ٹرسٹی لوگ‘ نے پسند کر لیا......تو ’امام‘ بن جائیں......اب
یہاں اُن کو تجربے سے معلوم ہوگا......ٹرسٹی لوگ کی ’معقول دھاندلی‘ کیسی ہے......اور
امام لوگ کی ’غیر معقول دھاندلی‘ کیسی ہے......

ٹرسٹی لوگ سرمایہ رکھتے ہیں......مسجدیں بنواتے ہیں......یا بنی ہوئی مسجدوں
کے ٹرسٹی بن جاتے ہیں......امام لوگ علم رکھتے ہیں......امامت کرتے ہیں......مسجدیں
ہیں......تو امام ہیں......امام ہیں......تو مسجدیں ہیں......مسجدوں سے اماموں کی عزت
ہے......اماموں سے مسجدوں کی رونق ہے......اماموں سے مسجدیں آباد بھی ہیں......وہ
ہر وقت مسجدوں میں ہوتے ہیں......ہر وقت مسجدوں میں رہتے ہیں......ٹرسٹی لوگ ہفتے
میں ایک بار آتے ہیں......کوئی کوئی تو صرف عیدین میں ہی آتے ہیں......امام لوگ نہ
ہوں......تو مسجدوں کا کیا حال ہو......اماموں کی تنخواہ ڈیڑھ دو سے تین ہزار......کام
بے شمار......دن رات مصروف کار......ہاں بچوں کی فکر......بوڑھے والدین کا خیال
......ٹرسٹی لوگ خفا ناراض ہوں......تو اُن کو منانے کی فکر......روٹھوں کو منانا سُنّت بھی
ہے......یہ سُنّت امام لوگ ہی ادا کرتے ہیں......ٹرسٹی لوگ نہیں کرتے......پھر بھی ٹرسٹی
لوگ ’’امام ہٹاؤ‘‘ مہم پر اٹل رہتے ہیں......

ٹرسٹی لوگ غور کریں......تو اُن کو اتنی محنت نہ کرنی پڑے......ارے ایک
ہٹائیں گے......دو ہٹائیں گے......دس، بیس ہٹائیں گے......اماموں کی نسل کو تو ہٹا
نہیں سکتے......جیت تو اُسی کی ہوگی......ایک کو ہٹا دیا......دوسرے کو بلایا......دوسرے
کو ہٹایا......تیسرے کو بلایا......یہ سلسلہ تو دراز ہے......امام لوگ تو قطار در قطار ہیں......
نسل در نسل ہیں......کہاں تک ہٹائیں گے......ہٹاتے ہٹاتے ایک دن خود ہٹ جائیں

گے......امام لوگ ڈٹے رہیں گے......ٹرسٹی لوگوں کو اماموں سے چھٹکارا نہیں......ایک
ہٹایا......تو دوسرا سر پہ مسلط ہوگیا......اس لیے ٹرسٹی لوگوں کی ’’امام ہٹاؤ تحریک‘‘ کبھی
کامیاب نہیں ہوگی......اگر ٹرسٹی لوگ اِس تحریک میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں......تو
اس کی دو ہی صورت ہے......ایک تو وہی......کہ ٹرسٹی لوگ امام بن جائیں......دوسری
صورت یہ کہ چن چن کر اماموں کی نسل کو ختم کر دیں......اس کے لیے ٹرسٹی لوگوں کو پہلے
مدارسِ اسلامیہ کو ختم کرنا ہوگا......کیوں کہ یہ امام لوگ وہیں سے ہزاروں کی تعداد میں
پیدا ہو کر آتے ہیں......کیا ٹرسٹی لوگ یہ نہیں جانتے......یہ دونوں صورت ٹرسٹی لوگ کے
بس کا روگ نہیں......نہ وہ امام بن سکتے ہیں......نہ اماموں کی نسل کو ختم کر سکتے ہیں......
لٰہذا ٹرسٹی لوگ کو فی الفور ’امام ہٹاؤ تحریک‘ واپس لے لینی چاہیے...... بلکہ ختم کر دینا
چاہیے......تاکہ وہ ’ہٹاؤ بلاؤ‘ کے دردِ سر سے بچ جائیں......نجات کا یہی ایک ذریعہ ہے
......اس سے دونوں کو فائدہ ہوگا......ٹرسٹی لوگ اپنا کام کریں گے......امام لوگ اپنا کام
کریں گے......ایک ہی جگہ رہنے سے کام بھی زیادہ ہوگا......لٰہذا ٹرسٹی لوگ اماموں کو نہ
ستائیں......اُن کو اپنا کام کرنے دیں......امام لوگ بھی ٹرسٹی لوگ کو پریشان نہ کریں
......اُن کو اپنا کام دیکھنے دیں......یوں دونوں لوگ جھگڑے، لفڑے سے ہٹ کر زیادہ
کام کر سکیں گے۔

☆ ☆ ☆

اماموں کے حجرے

امام حضرات انتہائی قابلِ احترام ہیں......پانچ وقت نماز پڑھاتے ہیں......
لوگ اُن کی اقتدا کرتے ہیں......امام آگے ہی رہیں گے......لوگ پیچھے ہی رہیں گے
......اگر لوگ آگے ہوئے......نماز فاسد ہوگی......آگے رہنا امام ہی کا منصب ہے......

لوگ ہرگز ہرگز آگے نہیں جاسکتے......امام جب تک امامت کریں گے......لوگ ٹس سے مس نہیں کرسکتے......اگر امام کی اقتدا سے ہٹ کر کچھ کیا......نماز پھر فاسد ہوگی......تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک......امام ہی کی امامت ہے...... قیادت ہے......لوگ مقتدی ہیں...... پیچھے رہیں...... وہی کریں...... جو امام کراتے ہیں......لوگ اس سے انحراف قطعاً نہیں کرسکتے......امام کا یہ اختیار فرض نمازوں کی امامت تک ہی ہے...... فرض نماز ہوگئی......اختیار سلب...... جب مسجد ہی میں امام کا پاور سلب ہوجاتا ہے......تو مسجد کے باہر وہ کیا کرسکتے ہیں......لوگ کیا بے وقوف ہیں...... ہر وقت امام کے پیچھے پیچھے پھرا کریں......مسجد میں موقع تھا......پھرالیا......اب کیا مجال......اب تو ہمارا موقع ہے......امام ہمارے پیچھے پھریں...... اِس میں قباحت بھی کیا ہے...... یہ دنیا کا دستور ہے مزدور، مالک بنتا ہے...... مالک، چندی چنتا ہے......سلطان کو چوان اور کوچوان سلطان ہوجاتا ہے......امام حضرات شاید یہ منطقی دلیل تسلیم نہ کریں...... وہ یوں ہی تھوڑے ہی نا امام بنے ہیں......فقہی مسائل تو پڑھے ہی ہیں......منطق، فلسفہ کی کتابیں بھی چاٹی ہیں......لوگ جو کچھ کرتے ہیں......اماموں نے کیا گناہ کیا ہے......اُسے وہ نہ کریں......امام ہر بات میں امام ہیں......آگے رہنا اُن کا حق ہے...... اِس حق سے اُن کو کون سبک دوش کرسکتا ہے......لوگ اپنے گھروں میں کتابیں نہیں رکھتے......امام پیچھے کیوں رہیں......وہ بھی اپنے حجروں میں کتابیں نہیں رکھتے......لوگ اپنے کمروں کو قیمتی کپڑوں سے بھرلیتے ہیں......اماموں نے بھی زرق برق لباس سے بھرلیے...... جہاں کتابیں ہی کتابیں ہونا چاہیے تھیں...... وہاں کُرتوں پر کُرتے، جبّوں پر جبّے، دستاروں پر دستار لٹک رہی ہے......لوگ مطالعہ نہیں کرتے......کتابیں نہیں دیکھتے...... اماموں نے بھی مطالعہ چھوڑ دیا......کتابیں نہیں پڑھتے......کیا اماموں کا اور کام نہیں ہے ......زندگی بھر کتابیں ہی پڑھتے رہیں گے......پچیس سالوں تک پڑھائی کی......اور کتنا

پڑھیں گے......لوگ ایس ایس سی، ایچ ایس سی کرکے روپیہ کماتے ہیں......امام عمر بھر پڑھتے ہی رہیں گے......تو پھر روپیہ کب کمائیں گے......کیا وہ انسان نہیں ہیں......کیا اُن کی ضروریات نہیں......اُن کی تو مہربانی ہے...... جمعہ کے دن خطبہ کی کتاب پڑھ لیتے ہیں......لوگ تو وہ بھی نہیں پڑھتے......امام خطبہ تو زبانی بھی پڑھ سکتے ہیں......دیکھ کر اس لیے پڑھتے ہیں کہ لوگ جان جائیں......امام پڑھنا بھی جانتے ہیں......اور یہ بھی کہ بینائی بھی سلامت ہے......امام تو تعویذ کی کتاب، ہر وقت دیکھتے اُلٹ پلٹ کرتے ہیں......امام تعویذ بھی دیکھ کر لکھتے ہیں......دکھا کر بھی لکھتے ہیں......تاکہ لوگ سمجھ لیں......امام لکھنا بھی جانتے ہیں......تعویذ کا ہدیہ بھی زیادہ اس لیے لیتے ہیں...... حکیم ڈاکٹر جب بھاری فیس لیتے ہیں......تو امام کیوں نہ لیں......اگر امام نے تعویذ بغیر ہدیہ کے دے دیا......تو اُس کا اثر زائل بھی ہوسکتا ہے......کیوں کہ مفت چیز کی قیمت ہوتی ہے، نہ اہمیت......لوگ تو وہ بھی نہیں کرتے......کم از کم اسی بہانہ سے ہی سہی...... اماموں کا رشتہ کتاب وقلم سے استوار تو ہے......لوگ تو مسجدوں کا راستہ بھی بھول گئے ......یہ اماموں کا ہی جگر ہے......جو یہ راستہ نہیں بھولتے......

لوگوں کے پاس پیسہ ہے......گھر کا کھانا پسند نہیں کرتے، ہوٹل کا کھاتے ہیں ......روز ریسٹورینٹ بدلتے ہیں......شہر شہر گھوم گھوم کر طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں......ایک ہی گھر......ایک ہی محلّہ......ایک ہی شہر کا کھانا......امام حضرات ہی کیوں کھائیں......کیا وہ قوتِ ذائقہ نہیں رکھتے......لہٰذا وہ بھی محلے بدلتے ہیں......شہر بدلتے ہیں......امام حضرات اگر ایسا کرتے ہیں......تو لوگ طعنہ زن کیوں ہوتے ہیں...... لوگ چھٹیرے بچھڑے کی طرح...... گھوم گھوم کر کھائیں...... کھڑے کھڑے بھی کھائیں......تو کوئی اعتراض نہیں......لوگ اسلامی تہذیب کا مذاق اُڑاتے ہیں...... انگریزی تہذیب گلے لگاتے ہیں......یہ تو امام حضرات ہی ہیں...... جہاں جاتے ہیں

......اسلامی تہذیب کا نفاذ کرتے ہیں......کیا یہ کارِ جہاد سے کم ہے......اس پر بھی لوگوں نے طعنہ دیا......اعتراض کیا......تو وہ امام ہیں......دلیلیں دے دے کر......کھڑے کھڑے کھانا شروع کر دیں گے ......تو پھر کیا ہوگا...... کیا لوگ بندروں کی طرح درختوں سے لٹک لٹک کر کھائیں گے......اس لیے لوگوں پر واجب ہے......اماموں کو پیچھے رکھنے...... یا پیچھے چھوڑنے کی کوشش از خود چھوڑ دیں......لوگ یاد رکھیں...... جیت ہر حال میں اماموں کی ہوگی......وہ علم کا خزانہ رکھتے ہیں...... منطق، فلسفہ کا ذخیرہ رکھتے ہیں......لوگوں کے پاس کیا ہے......ایک کیل کیولیٹر...... یا ایک عدد کمپیوٹر......ہاں ایک بات میں لوگ ضرور آگے ہیں...... امام حضرات داڑھیاں ضرور رکھتے ہیں......لوگ داڑھیوں کو ضرور چھلاتے ہیں......لوگ اماموں کو زیادہ نہ ستائیں......ورنہ وہ داڑھیاں چھلوانے پر سبقت لے جاسکتے ہیں......نمازوں کے وقت نقلی داڑھیاں لگالیں گے...... اس مسئلے پر بھی امام حضرات چوکیں گے نہیں...... دلیلوں پر دلیل......مثالوں پر مثال کا انبار لگا دیں گے......مگر وہ ایسا شاید اس لیے نہیں کریں گے......کہ وہ خوفِ خدا رکھتے ہیں......داڑھیاں تو وہ چھلواتے ہیں...... جو خوفِ خدا ہرگز نہیں رکھتے......لوگ امام کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں......لوگ یاد رکھیں......اُن کی کوشش رائیگاں جائے گی......وہ کبھی بھی امام سے آگے ہونے میں کامیاب نہیں ہو پائیں گے......اب یہی دیکھیے نا......لوگ پیسہ رکھتے ہیں...... مسجدیں بنواتے ہیں......لیکن وہ مسجدوں میں سو نہیں سکتے......سو بھی گئے......تو نیند نہیں آئے گی......کیوں کہ لوگوں کو چٹائی پر سونے کی عادت نہیں......پھر اُن کو اپنے مالوں کی فکر بھی کھائے جاتی ہے......لیکن جن اماموں کو حجرے نہیں ملتے......وہ مسجدوں ہی میں سوتے ہیں...... چٹائی پر اُن کو خوب نیند آتی ہے ......لوگ ہرگز یہ نہ کہیں...... مسجدوں میں سونا جائز نہیں......ارے وہ اعتکاف کی نیت سے سوتے ہیں......لہٰذا مسجدوں میں سونے سے بھی امام سے آگے نہیں ہوسکتے......

لوگ مسجدوں کے لیے ہر طرح کی قربانی دیتے ہیں......لیکن وہ مسجدوں میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے......امام کچھ نہیں کرتے ہیں......پھر بھی مسجدوں سے چپکے رہتے ہیں...... کیوں کہ وہ امام ہیں......یہ اُن کا حق ہے......

اماموں اور لوگوں کے بیچ......من ہی من میں آگے آگے ہونے کی دوڑ ہوتی ہے...... بالآخر اماموں ہی کی فتح ہوتی ہے......لوگ تو لوگ ہیں......اُن کی فتح کب ہوسکتی ہے......ہاں!......ایک صورت ہے......لوگ امام سے آگے ہوتے ہیں......وہ صورت سامنے آتی ہے......نمازِ جنازہ کے وقت......لوگ سمجھتے ہیں...... چلیے آج ہم نے امام کو پچھاڑ دیا......آج تو امام بیچارہ پیچھے ہے......لیکن یہ بھی لوگوں کی بھول ہے ......ارے! آگے وہ ہے...... جو اپنی زندگی سے ہار چکا......وہ تو چت لیٹے اپنی ہار کا اعلان کر رہا ہے......زندگی بھر آگے ہونے کی تگ ودو کرتا رہا......نہ ہوسکا......آج خود ہی سامنے چت پڑا ہے......لیکن جن لوگوں سے ابھی من ہی من کا مقابلہ باقی ہے...... اماموں نے ان کو ابھی بھی پیچھے دھکیل رکھا ہے......لوگ بلاوجہ اماموں کو پیچھے چھوڑنے کی فکر میں دُبلے، دوہرے ہوتے ہیں ...... اماموں نے تو درسیات پڑھی ہیں ...... فقہیات کا مطالعہ کیا ہے......منطقیانہ وفلسفیانہ بحثیں پڑھی ہیں......لوگوں نے کیا پڑھا ہے......بس وہی Donky, Monky, Dog, Cat یہ بلی، کتا، بندر، گدھا، کب تک کام آئے گا......گھروں میں فاتحہ پڑھ نہیں سکتے ......قبرستان جا کر باپ دادا کے لیے ایصالِ ثواب کر نہیں سکتے......وہاں بھی امام ہی آگے...... جیتے جی ہو...... یا مرنے کے بعد لوگ اماموں سے آگے ہو ہی نہیں سکتے...... گود سے گور تک اماموں کی ضرورت ہے...... پیدا ہوئے......تو لوگ اذان نہیں کہتے......امام ہی کہیں گے......جوان ہوئے ......لاکھوں خرچ کر کے بھی لوگ سجی سنوری دلہن کو ہاتھ لگا نہیں سکتے...... جب تک امام نکاح نہیں پڑھا دیتے......مرے تو دفن نہیں ہوسکتے ...... جب تک امام جنازہ کی نماز

پڑھا نہیں دیتے......قبرستان میں بھی امام ہی آ گے......خدا نے چاہا......تو قیامت میں بھی امام ہی آ گے ہوں گے...... پھر بھی لوگوں کو امام کا آ گے ہونا برداشت نہیں...... حیرت ہے......ارے اماموں کے حجرے کتابوں سے خالی ضرور ہیں......مگر پڑھائی ضرور جاری ہے......نماز پڑھتے ہیں......قرآن پڑھتے ہیں......کلمہ پڑھتے......درود پڑھتے، فاتحہ پڑھتے، چہلم پڑھتے......سورۂ بقرہ پڑھتے......یٰسین شریف پڑھتے......زبانی ہی سہی......لوگ وہ بھی نہیں پڑھتے......پھر وہ امام سے آ گے کیسے ہو سکتے ہیں......لوگوں کو امام سے آ گے جانے اور امام کو اپنے سے پیچھے چھوڑنے کی فکر آج ہی چھوڑ دینی چاہیے۔

☆ ☆ ☆

تانیث، تذکیر، تلفّظ کا مسئلہ

کچھ لوگ اردو کے معاملے میں بڑے حسّاس ہوتے ہیں، تانیث، تذکیر، تلفّظ کے پیچھے پڑے رہتے ہیں......اُن سے یہ کون کہے......شیخ ذرا آ گے دیکھ......اس کے سوا اور بھی درد ہے جہاں میں......مَیں نے یہاں تانیث پہلے......پھر تذکیر لکھا ہے...... یہ یا تو ''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ'' کے پیش نظر لکھا گیا ہے...... تا کہ اقبالؔ جی کی روح خوش رہے...... یا خوف کے سایے کا نتیجہ ہے کیوں کہ حقوقِ نسواں اور آزادیِ نسواں کے علمبردار......اِن دنوں اتنے جری ہو گئے ہیں...... لٹھم لٹھ کرتے سر پہ آ جاتے ہیں......جی نہیں! معاف کیجیے......دراصل بات یہ......لکھنے میں 'تانیث' پہلے لکھ گیا......سو رہنے دیا......کٹنگ، ری رائٹنگ ایک بڑا عیب ہے......اس سے بچنا مقصود تھا......اگر 'صنفِ نازک' کا درجہ پہلے ہوتا......تو باوا آدم پہلے کیوں پیدا ہوتے...... خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا...... بات تھی......تذکیر، تانیث، تلفّظ کی...... اس کی رعایت کا مطالبہ ہر شخص سے کرنا بجائے خود غور طلب ہے......کیوں کہ ہر شخص

دہلی یا لکھنؤ میں پیدا تو نہیں ہوتا......اگر ایسا ہو جائے......تو سارا ہندوستان......دہلی لکھنؤ میں سمٹ جائے گا......پھر ملک کا تمام رقبہ کیا دشمنوں کے حوالہ کر دیا جائے......یہ ملک کے ساتھ وفاداری ہوگی......یا غداری؟......پھر دہلی، لکھنؤ جو اردو کے گھر ہیں...... سارا ہندوستان تو نہیں......کہ وہ اپنی زبان پورے ہندوستان پر مسلط کرے......یہ تو ڈکٹیٹر شپ بھی ہوگی......دوسری زبانوں کے ساتھ سخت ناانصافی بھی ہوگی......یا حق تلفی ہوگی......یہ حق تلفی و ناانصافی تمام ہندوستانی کیوں کر گوارا کریں گے......اگر دہلی لکھنؤ امریکہ کی طرح زور زبردستی پر اُتر آئے......تو پورے ملک میں لسانی دہشت گردی شروع ہو جائے گی......دہشت گردی کی زد میں جب خود امریکہ آ سکتا ہے......تو ٹڈی جیسے شہر دہلی، لکھنؤ کی کیا بساط ہے؟......

شستہ، پختہ، سلیس، رواں اردو زبان......دہلی، لکھنؤ والوں کا حق ہے......یہ حق وہ اپنے حق میں محفوظ رکھیں......دوسروں......دیہاتیوں کو نہ گھسیٹیں......دوسرے بھی منھ میں زبان رکھتے ہیں......اگر وہ پلٹ کر کہہ دیں......چونکہ دیہاتی ہیں......اس لیے اُن کا لب و لہجہ بھی وہی ہوگا......کیا عرب میں صرف اسپ چابک ہی پیدا ہوتے ہیں......دراز گوش نہیں؟ اگر نہیں، تو یہ دوپہر کی تیز دھوپ میں سفید جھوٹ ہوگا......پھر اگر اس وائٹم وائٹ جھوٹ پر اصرار بڑھا......پھر تو اِس زبان کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں...... سب جانتے ہیں......ماہِ عرب، شاہِ کنعان، ولد عدنان نے دراز گوش کی سواری فرمائی ہے، پھر یہ تو مشاہدہ ہی ہے......اردو کے اپنے گھر سے......ہنہناتے گھوڑے ہی نہیں نکلتے......ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے گدھے بھی خوب برآمد ہوتے ہیں......جو دندناتے یہاں وہاں......جہاں تہاں پھرتے ہیں......دہلی لکھنؤ والے......اگر اردو کی ٹانگ توڑے......مانگ بگاڑے......سندور اُڑائے......تو قیامت سے پہلے قیامت والی بات ہے......جو بے وقت برپا کرنے والا بدترین سزا کا مستحق ہے......کیوں کہ وہ اپنی

زبان کے ساتھ......ایسی بدفعلی کی......جو کوئی شریف انسان، ہرگز برداشت نہیں کرسکتا ......ظاہر ہے......ایسی بدفعلی کی سزا اردو کی شریعت میں سنگساری ہی ہوگی......کوڑے اور دُرّے نہیں ...... کیوں کہ اس معاملے میں اردو والے محصن کے درجہ میں ہیں ...... پہلے انہیں سنگسار کردو......پھر غیر محصن خود بخود سدھر جائیں گے......اگر نہیں سدھرے ......تو وہ بھی قابلِ عفو ہیں ...... کیوں کہ اردو کے گھر میں پیدا نہیں ہوئے ہیں ......اس لیے آزاد ہیں ......قیدی نہیں ......خود مختار ہیں......لکیر کے فقیر نہیں ...... انہیں آزاد رہنے دو......اردو والے لکیر کے فقیر ہیں ......تو رہا کریں ......بچھڑے کی طرح کھونٹے سے بندھا رہنے سے انہیں کون روکتا ہے......کولہو بیل کی طرح آنکھوں پہ ٹاٹ کی موٹی موٹی پٹیاں باندھ کر تانیث، تذکیر، تلفّظ کے تنگ دائرے میں گھوما کریں ......ذہن پر زور دے کر نہیں ...... یوں ہی اگر اس عقدہ پر سوچیں ......تو دو دو چار کی طرح بات سمجھ میں آجائے گی ......اس امر میں درحقیقت اردو والے ہی قصوروار ہیں ......اندھیرے کے مسافر ہیں......کیوں کہ اگر وہ درست قرأت کے ساتھ روانی سے اردو بولتے ...... لکھتے پڑھتے...... تانیث، تذکیر، تلفظ کا بھرپور لحاظ کرتے ......تو غیر اردو والے غیر شعوری طور پر ہی سہی ......ضرور سیکھ لیتے ......اب جو شعوری طور پر اردو والے سکھانا چاہتے ہیں ......غیر اردو والے منھ پر یہ کہہ دیتے ہیں......استاذ جی! آپ کی زبان خود ہی ناہمواری کا شکار ہے...... پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرلیں......خوب مشق کرلیں ......پھر کلاس میں تشریف لائیں......بات بھی سچ ہے......جو خود راہ پر نہ ہو......دوسروں کی رہبری کیوں کر کرسکتے ہیں......اردو والوں کو اگر غیر اردو والوں نے یہ مشورہ دیا ہے ......یا ڈانٹ پلائی ہے......تو بالکل بجا ہے......اگر ہر اردو والے سدھر جاتے ......تو غیر اردو والے کیوں بگڑتے ......سیاست داں اگر ایمان دار ہوں......تو ملک کا نقشہ بدل جائے ...... مذہب کے ٹھیکے دار مخلص ہوں ......تو مسلم معاشرہ یکسر تبدیل ہوجائے ......

اُلّو کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے دن کا وجود ختم تو نہیں ہوتا......رات تو نہیں ہوتی ......ان سچائیوں کا انکار بھلا کوئی عادل انسان کیسے کرسکتا ہے......لیکن یہ ہندوستان ہے ...... جہاں عدل کی جگہ ظلم عام ہے......انسانیت کا قاتل تاج پوشی کا مستحق ہے......اس ڈھیلے پن سے فائدہ اُٹھا کر......اردو والے سوسو غلطیاں کرتے ہیں ......لسانی گھپلے، کرپشن، جرائم کرتے ہیں ...... پھر بھی دعویٰ ہے......اردو اُن کی جاگیر ہے......اگر یہ ڈھٹائی نہ ہوتی ......تو چوری اور سینہ زوری اور اُلٹے چور کوتوال کو ڈانٹے ...... کے محاورے کیسے بنتے......

لیجیے، جب محاورے کا ذکر آ ہی گیا......تو تھوڑی بات اس پر بھی ہوجائے......

اس کے لیے پہلے ایک مثال دینا چاہوں گا......دنیا کی ہر چیز سفر میں ہے...... یہ سفر کبھی سیدھا، کبھی اُلٹا، کبھی آڑا ٹیڑھا، کبھی ترچھا، کبھی اوپر سے نیچے، کبھی نیچے سے اوپر، کبھی دائرہ نما، کبھی کونا کونی، کبھی تکونا بھی اور کبھی مدور بھی ہوسکتا ہے......ان تمام کیفیتوں کا مشاہدہ روز کرتے ہیں ......مثلاً پانی ہی لیجیے......کیسے کیسے بہتا ہے......کیسے کیسے برستا ہے...... دریا، نہر، گٹر، ڈھلوان، پہاڑ، چشمے، فوارے کو دیکھیں......ساری صورتوں کا مشاہدہ کرلیجیے......اگر تجربے سے دیکھنا چاہیں ......تو ایک پائپ کا ایک سرا موٹر والے نل سے جوڑ دیجیے......خالی نل نہیں ......اس میں پانی ہو بھی......دوسرے سرے کو اپنے ہاتھ میں رکھیے...... پائپ کا منہ ذرا انگلیوں سے دبائیں......اور اوپر کی طرف اُچھالیں ...... پانی اوپر جائے گا......تو قدرے سیدھے ہی......مگر گرنے کی کیفیت مختلف ہوگی ......اسی طرح پانی دریا سے بخار بن کر اوپر بالکل اوپر چلا جاتا......پھر بادل بن کر برسنے لگتا ہے...... یہاں بھی برسنے کی کیفیت یکساں نہیں ہے......

اسی طرح زبان، ادب، محاورے بھی سفر کرتے ہیں ......کبھی اونچے پڑھے لکھوں سے اَن پڑھوں کی طرف ......کبھی اَن پڑھوں سے لکھے پڑھوں کی طرف ......

کبھی شہر سے دیہات ...... کبھی دیہات سے شہر کی طرف ...... جی ہاں! جہاں تعلیم یافتہ اعلیٰ سوسائٹی میں بنتے ہیں ...... وہیں شہری سہولیات سے محروم ...... دہقانیوں میں بھی بنتے ہیں ...... دیہاتیوں کے محاورے معنویت سے زیادہ لبریز بھی ہوتے ہیں ...... کیوں کہ وہ ہر چیز اصلی کھاتے ہیں ...... اس لیے محاورے بھی اصلی پیدا کرتے ہیں ...... اس کا یہ مطلب نہیں ...... شہری نقلی چیز کھاتے ہیں ...... نقلی محاورے بناتے ہیں ...... مگر اتنا تو طے ہے ...... شہر میں ہر چیز پڑیا اور پیکٹ میں بکتی ہے ......

درصل اردو والوں کی نظر ...... تانیث، تذکیر، تلفظ پر اٹکی رہتی ہے ...... دیہاتی، غیر اردو والے کی نگاہ ہمیشہ معنی پر ٹکی ہوتی ہے ...... وہ صدف کو نہیں دیکھتے ...... موتی پر نظر کرتے ہیں ...... لفافہ کوڑے دان کی نذر ہوتا ہے ...... ملفوف کی قدر و حفاظت ہوتی ہے ...... جب تک اردو والے تانیث، تذکیر، تلفظ کی تلاش یا مشق کرتے ہیں ...... تیز اردو والے اتنی دیر میں اپنی بات فٹا فٹ کہہ چکا ہوتا ہے ...... بھلے وہ گھوڑا، کو گھورا، لڑکا کو لرکا، چائے ٹھنڈا ہے کیوں نہ بولیں ...... سامنے والے کو اس کا مفہوم کچھ جاننا چاہیے ...... اگر وہ 'سرک پر گھورا دورا' اور چائے ٹھنڈا ہوتا ہے، یہ جملے نہ سمجھ سکیں ...... تو یہ کتنے بھوندو گوندو ہیں ...... تو اردو دانوں کو ہر آسان جملے سمجھانے میں بھیجہ فرائی ...... یا دماغ خوری کون کرے ...... پنڈولم کی طرح بلا وجہ پریکٹس کون کرتے رہے ...... جو چاہے ...... کرے ...... ہمارے اور بھی کام ہیں اِس کے سوا ...... الفاظ کے چکّر میں پڑتے نہیں دانا ...... اُس کو تو مطلب ہے موتی سے ...... نہ کہ صدف سے۔

☆ ☆ ☆

بڑی شخصیتوں کے کیا آنکھ کان نہیں ہوتے

وہ شخصیتیں ...... جن کا ذرا قد نکل آیا ...... اونچا ہوا ...... اب وہ عام لوگوں کی

دسترس سے باہر ہوتی ہیں ...... اُن کے پرسنل سکریٹری ہوتے ہیں ...... جن کو چمچے ...... حاشیہ بردار ...... زیادہ مناسب لفظوں میں ...... حوالی موالی کہا جاسکتا ہے ...... ان شخصیتوں کی آنکھیں تو ہوتی ہیں ...... مگر وہ اپنی آنکھوں سے نہیں، انہی موالی کی آنکھوں سے دیکھتی ...... اور کانوں سے سنتی ہیں ...... اُن کی قوتِ فیصلہ سلب ہو چکی ہوتی ہیں ...... جو یہ کہتے ہیں ...... وہی اُن کا فیصلہ ہوتا ہے ......

کل جو وہ شخصیتیں پیدل چلتی تھیں ...... اب وہ پلین سے چلتی ہیں ...... کل جو وہ ہر جگہ موجود ہوتی تھیں ...... اب وہ پردہ نشیں خواتین ...... کی طرح چھپ چھپا کر رہتی ہیں ...... لوگوں کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے ...... غریب مزدور لوگ تو دیکھنے کے لیے ...... ترستے تڑپتے ہیں ...... ملنے جائیں تو چمچے لوگ کہتے ہیں ...... ابھی وہ آرام کرتے ہیں ...... ابھی وہ ٹوائلٹ یا باتھ روم میں ہیں ...... آنے ملنے والا آفس کے باہر ...... یا بنگلے کے باہر دم سادھے ...... ٹکر ٹکر دیکھتے انتظار کرتے ہیں ...... بیٹھے بٹھائے دل پھٹنے لگتا ہے ...... آنکھیں پتھرانے لگتی ہیں ...... مگر کیا مجال جو اُن کا آرام ختم ہو ...... ٹوائلٹ، باتھ روم سے باہر آئیں ...... حیرت ہے ...... وہ کتنا آرام کرتے ہیں ...... کتنا ہگتے، موتتے یا نہاتے ہیں ......

اگر فون کیا جائے ...... تو جواب ملتا ہے ...... وہ ابھی سوتے ہیں ...... دوا کھا کر ستاتے ہیں ...... پیشاب، پائخانے یا نہانے گئے ہیں ...... ابھی وہ خاص مٹینگ میں ہیں ...... جب کبھی رِنگ کیجیے ...... یہی جملے سنائی دیں گے ...... گویا چمچے لوگ رٹّو طوطے ہیں ...... یہ جملے رٹا دیئے گئے ہوں ...... یا جھوٹ بولنے کی خوب مشق کرا دی گئی ہو ...... کبھی تو یہ ہوگا ...... سوری رانگ نمبر ...... غرض یہ کہ پرسنل سکریٹری ...... اور چمچے لوگ اتنے سیانے ہوتے ہیں ...... اُن کو خوب خبر ہے ...... کس کو کیا جواب دینا ہے ...... آپ لاکھ فون کریں ...... سامنے سے وہی آواز آئے گی ...... جو آپ کے تن بدن میں آگ لگا

دے گی......

یہ چمچے لوگ...... بڑی شخصیتوں کو یرغمال بنائے رکھتے ہیں......نظر بند رکھتے ہیں......اپنی روٹی سینکتے ہیں......اَوروں کا حق مارتے ہیں......اپنے پیٹ کے جہنم کو خوب دہکاتے ہیں......ان چمچوں کی ان حرکتوں سے......قوم کا، ملک کا، دین کا کتنا نقصان ہوتا ہے...... بیان سے باہر ہے...... چمچے تو چمچے ہیں......مُردہ جنت میں جائے یا جہنم میں......اُن کو محض حلوا روٹی چاہیے......مگر وہ بڑی شخصیتیں......جن پر ملک وملّت کی ذمّے داری ہے......وہ اِس قدر بے حس کیوں ہوتی ہیں......کیا وہ بڑی شخصیتیں...... اس گمان میں ہیں......اُن سے اُس ذمّے داری کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی......ہم غریب لوگوں کو اطمینان دلاتے ہیں...... بڑوں کا حساب بھی بڑا ہوتا ہے......سزا بڑی ہوتی ہے...... بڑی شخصیتوں سے ملنا، بلانا ہو......تو اُس ایک ہی صورت ہے...... پہلے چھوٹے چمچوں سے ملیے...... پھر قدرے بڑے...... پھر اُن سے بڑے...... پھر گرو گھنٹال سب سے بڑے چمچوں سے ملیے......اُن کی چھوٹی موٹی تعریف کیجیے...... بالکل بے جا خوشامد کیجیے......ہوسکتا ہے......رشوت بھی دینی پڑے......جو وہ کہے، وہ مانیے......اُس کی ہاں میں ہاں کہیے...... یوں نہیں بزاخفش کی طرح سر ہلا ہلا کر......منہ بھر بھر کر جی ہاں جی ہاں کہیے...... چاہے وہ جو بکے...... اُصولِ اخلاق کے خلاف ہو...... یا اصولِ شرع کے خلاف ہو......بس آپ جی ہاں کے سوا کچھ نہ کہیے...... ہوسکے تو نمک مرچ لگا کر...... آپ اپس کی باتوں کو اور پکّی مدلل کیجیے......مہینوں چوتیا گیری کے بعد ممکن ہے......وہ چمچے مان جائیں......خوش ہو جائیں......اور آپ کو وہ بڑی شخصیتوں سے ملوا دیں...... اور آپ کی مراد بر آئے......

وہ شخصیتیں سیاسی ہوں......سماجی ہوں...... دینی ہوں...... ہر جگہ چمچوں کا حصار ہے......اُلّو کے پٹھوں کو منانا، ہموار کرنا آسان نہیں...... اُن کے منانے میں

اخلاقی اور شرعی ساری سرحدیں......آپ کو توڑنی ہوں گی......ہفت طے کرنے کے بعد ہی......آپ اُن نظر بند نقاب پوش شخصیتوں کے چہرۂ زیبا......اور روئے خوباں کا دیدار کر سکتے ہیں...... چمچے جب تک چاہیں...... دیدار کریں...... بات کریں......وہ جب چاہیں آپ کو اُٹھا کر بھگا دیں...... یہ اُن کی مرضی ہے...... یہ اُن کا مزاج ہے......اگر کچھ تاخیر کی...... یا سرتابی کی......تو دھکّا بھی دیا جاسکتا ہے......عالمِ بالا کے شہ نشیں کی صحبت سے اُٹھا کر نیچے پھینک دے...... یا پٹخ بھی دیا جاسکتا ہے......آپ کچھ نہیں کر سکتے......ذرا سی آہ، اُوہ، اُہو کیا......گستاخ قرار پایا......

اُلّو کے اِن پٹھوں کے پٹھّے اتنے مضبوط ہوتے ہیں......سرین اتنی چوڑی ہوتی ہے......توندا تنی پھولی ہوتی ہے......حرام کا کھا کھا کر چہرہ ایسا موٹا بھولا ڈراؤنا ہوتا ہے......آپ کو فرار ہونے......وہاں سے کھسک لینے میں ہی عافیت ہے......جی یہ دنیا کا دستور بنتا چلا جا رہا ہے...... مال داروں کی چاہ ہے......ناداروں کی آہ ہے...... دولت ہے......اقتدار ہے...... بڑی بارگاہوں، بڑے درباروں میں فوراً باریابی ہے......غربت ہے...... مفلسی ہے...... ناداری ہے......چپلیں گھستے رہیے...... چکر لگاتے رہیے......عمر گزار دیجیے......کیا مجال کہ اُن لالہ رخوں کی دید ہو جائے......جمالِ جہاں آرا کا دیدار ہو جائے......جلوۂ زیبا کا درشن ہو جائے......اُلّو کے پٹھوں کا حصار ایسا آہنی ہے...... دید و درشن تو دور کی بات......سائے سے بھی محروم رہیے......خواب میں بھی دیکھنے کی جرأت مت کیجیے......کہ وہ خوبانِ زمانہ انہیں کے خوابوں میں آتے ہیں...... جن کی گھیرا بندی میں وہ دن رات گھرے رہتے ہیں...... ناداروں کا خواب بھی تو نادار ہے......وہ نازنینِ وقت اُن نادار خوابوں میں کیوں آئیں......خوابوں میں آنا ہی ہے......تو اُن کے خوابوں یا خواب گاہوں میں آتے ہیں...... جو دولت و اقتدار کے خوابوں کی جنت میں رہتے ہیں، بستے، سوتے ہیں......

ہم اپنے نادار بھائیوں کو یقین دلاتے ہیں ......رسولِ رحمت کا فرمان سناتے ہیں ......قیامت کی نشانی یہ بھی ہے...... ننگے پاؤں، اُلجھے بالوں والے......بنگلوں میں رہیں گے......محلوں میں سے جھانکیں گے......مراد یہ ہے......اُجڈ، گنوار، کم ظرف، غیر شریف لوگ...... برسراقتدار ہوں گے......اعلیٰ معاشرہ، فارورڈ سوسائٹی میں رہیں گے ......شریف، خلیق، دیانت دار، امانت دار حضرات غربت عسرت کی زندگی بسر کریں گے ......زمانہ جو قیامت کی چال چل رہا ہے...... یہ دیکھ کر رسولِ رحمت کی وہ طویل حدیث یاد آتی ہے......جس کا ایک حصہ یہاں نقل ہوا...... جی اب یقین کر لیں ...... قیامت قریب ہے......قربِ قیامت کی جتنی نشانیاں ...... بتلائی گئی ہیں ...... اُن میں اکثر رونماں ہو چکی ہیں......

مَیں یہ کہنے پر اس لیے مجبور ہوں ......مجبوری بھی کیا...... یہ حقیقت ہے...... سیاسی لوگ......سماجی لوگ......اگر ایسا کریں......تو کچھ قرین قیاس ہے......کہ سیاست کے کچھ اُصول نہیں ...... وہاں ہر ناحق، حق ہوتا ہے...... ہر حرام حلال ہوتا ہے...... سیاست پکّی چڑیل چال باز ہر جائی ہے......میرے نزدیک سیاست بھی سفاہت ہے ......شقاوت ہے......حماقت ہے......سیاست کی شریعت میں پیٹ کی وفاداری...... نفس کی پیروی...... حیوانی، شیطانی، نفسانی، جنسی خواہشات کی تکمیل شرط ہے......اس لیے سیاست دانوں، مال اور دولت کے پجاریوں، چڑھتے سورج کو سلام کرنے والوں کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں......حیرت کی بات نہیں......

حیرت اُن ہیکل الوجود ہستیوں پر ہے...... جو دین کے ٹھیکے دار ہیں ...... مذہب کے ذمّے دار ہیں ...... مذہبی شخصیتوں کو دعویٰ ہے......کہ وہ فراستِ ایمانی کے حامل ہیں......ینظر بنو ر اللّٰہ کی صفت سے متصف ہیں......تو کیا وہ نہیں دیکھتیں...... جوابازوں، سٹّے بازوں کی یہ دھاچوکڑی کیوں ہے......چور چوہڑے چمار قسم کے لوگوں

پہ چوپال لگائے کیوں بیٹھے ہیں ...... عام انسانوں کی اُن درباروں تک رسائی کیوں نہیں ...... مال داروں کا مال چاہے مالِ حرام ہی ہو...... کیوں عزیز ہے......اُن کی رہائش کیوں پیاری ہے......کیا نادار لوگ اُن عنایاتِ خسروانہ، توجہاتِ بزرگانہ کے مستحق نہیں......کیا مال داروں کا ہر عیب ہنر ہے......کیا ناداروں کا ہر ہنر عیب ہے...... روشن ضمیر شخصیتوں پر تو سب کچھ روشن رہنا چاہیے......اُن کی روشن ضمیری، ضمیر فروشوں کے تابع ہو کر کیوں رہ جاتی ہے......

روشن ضمیروں کے واقعات سے......اُن کی کتابہائے حیات کے اوراق گونج رہے ہیں......حضرت غریب نواز روشن ضمیر ہیں...... وہ اصفہان سے اُٹھے......روشن ضمیر بن کر ہندوستان تشریف لائے......کفر کی دہلیز پر اسلام کی دستک دی......شرک کی چوکھٹ پر ایمان کی آہٹ ہوئی...... بت کدوں میں دینِ حنیف کا ہلال چمکا......اجمیر کے جنگلات میں اذانیں گونجنے لگیں...... ایک طرف راجہ تھا......فوج تھی...... سپاہ تھی......دوسری طرف فقیر تھا......درویش تھا......غریب الدیار تھا......فتح روشن ضمیر کی ہوئی......کفر کی قوتیں سرنگوں ہو کر رہ گئیں......غریب نواز نے غزنی سے شہاب الدین کو بلایا...... ہندوستان کا حاکم بنا دیا......حکومت سونپ دی، تخت پر بٹھا دیا......شہاب الدین بابا کی بارگاہ میں بار بار آیا......کیا کوئی کہہ سکتا ہے......شہاب الدین کے دربار میں بابا ایک بار بھی گئے ہوں......خود سے جانا تو دور و محال تھا......شاہی اہتمام کے ساتھ بلانے پر بھی تشریف نہیں لے گئے......نہ خود گئے......نہ مریدین و خلفا کو جانے کی بات کہی...... بلکہ سخت تاکید کر دی...... بادشاہوں کے درباروں میں کوئی نہ جائے...... اُن کی صحبتوں میں کوئی نہ بیٹھے......اور یہی ہوا......اللہ کے درویش...... اللہ ہی کے رہے......شاہوں، بادشاہوں، دنیا کے کتوں کے پاس ہرگز نہیں گئے......

حضرت قطب الدین بختیار کاکی......حضرت غریب نواز کے اجل خلیفہ

ہیں……کاکی پر کسی فاحشہ نے زِنا کا الزام رکھا……مرافعہ عدالت تک پہنچا……اپنے حق
میں اپنی شہادت معتبر نہیں…… پیٹ کا بچّہ اُن ہی کے نطفہ کا ہے…… یہ فاحشہ کا دعویٰ
تھا……اب بیانِ صفائی کون دیتا……قریب تھا حاکم مرافعہ اور بادشاہِ وقت ہی فیصلہ
کرتا…… جو شرعی عدالت کا تقاضا تھا……مگر روشن ضمیری کی شان دیکھیے……قربان
جایئے……حضرت غریب نواز کو اپنے مرید کی عفت، عفاف، پاک دامنی، پارسائی پر
یقین تھا……اجمیر سے دہلی تشریف لے گئے……حاکمِ وقت سے مخاطب ہو کر فرمایا: نہ
زانیہ کی دلیل……نہ زانی کی صفائی……گواہی اُس بچّے کی ہی ہوگی…… جو اُس فاحشہ
کے پیٹ میں ہے……وہی بولے گا……وہ کس کا بچّہ ہے…… یہ سُن کر سکتہ طاری ہو گیا
……سناٹا چھا گیا……بھرا ہوا شاہی دربار محوِ حیرت تھا…… پیٹ کا بچّہ کیسے بولے گا……
حضرت غریب نواز نے حکم فرمایا……شکمِ مادر کا بچّہ شکمِ مادر ہی سے بول پڑا…… پیٹ
سے ہی آواز آئی……مَیں فلاں زانی کا بچّہ ہوں……میری ماں کا الزام غلط ہے……
حضرت قطب کا دامن بالکل پاک ہے……

جی ہاں! اسے کہتے ہیں روشن ضمیری…… روشن ضمیری کا بھیس اپنانے سے
انسان بہروپیا تو ہوسکتا ہے……روشن ضمیر نہیں ہوسکتا……فقیری، روشن ضمیری، درویشی
چیزے دیگر ہے…… جو ریاضت، مجاہدہ، مراقبہ، محاسبہ، نفس کشی، چلّہ کشی، دنیا سے کنارہ
کشی، خلوت، تنہائی، اکلِ حلال، صدقِ مقال، صالحین کی صحبت، خدا و رسول کی قربت،
خوفِ خدا، شرمِ نبی، ہر حال میں عزیمت پر عمل اور بہت کچھ چاہتی ہے…… یہ اعلیٰ اونچی
منزل، چوہڑوں، دنیاداروں، نفس پرستوں، حرام خوروں، شراب نوشوں، زنا کاروں،
مصیبت کاروں، قمار بازوں، دغا بازوں، بے وفاؤں، وعدہ خلافوں، بدعملوں،
بدکرداروں، چغل خوروں، مفت خوروں، غیبت خوروں، بدنہادوں، بداطواروں، غلط
شعاروں، کذب بیانوں، جھوٹی بات کرنے والوں، جھوٹی گواہی دینے والوں،

مزدوروں کے پسینے کی کمائی کو ہڑپ جانے والوں، یتیموں، بیواؤں کا حق غصب کر
جانے والوں کے گھر قیام کرنے، اُن کے گھر کھانے، اُن کی رہائش گاہوں پر اُترنے
ٹھہرنے سے وہ اعلیٰ اونچی منزل درویشی و روشن ضمیری حاصل نہیں ہوتی……

روشن ضمیری نے گندم نما جو فروشوں کو…… ہمیشہ پھٹکارا، دھتکارا، للکارا ہے
……مَیں نے بھی کئی روشن ضمیروں کو دیکھا ہے……مفتیِ اعظم ہند کو دیکھا ہے……حضور
احسن العلما کو دیکھا ہے……اُن دونوں کو بہت سوں نے دیکھا ہے……اُن کی بارگاہوں
میں نہ دولت مند ٹکتا تھا……نہ صاحبِ اقتدار پھٹک پاتا تھا……دونوں بلند سیرت بزرگ
دنیا کے پیچھے بھاگے نہ دنیاداروں کے پاس دوڑے……دنیا اُن کے پیچھے بھاگی……
دنیا دار اُن کے آگے پیچھے دوڑے……اگر کسی نے اُن دونوں کو دولت و اقتدار کا جھانسہ
دینا چاہا……اُس کو بری طرح کھدیڑ دیا گیا……دوڑا دیا گیا…… یہاں حکومتِ وقت بھی
پَل نہ مار سکی……یہ دنیا جانتی ہے……زمانہ گواہ ہے……

اپنے وقت کے عالمِ ربانی……عابدِ شب تاب……زاہدِ مرتاض، جلیل القدر
بزرگ ضیغمِ ملّت ابوصالح حضرت مولانا شاہ غلام یٰسین رشیدی کو مَیں نے دیکھا تھا……
وہ رئیس بھی تھے، زمین دار بھی تھے……اعلیٰ شریف خاندان کے تھے……زاہدانہ اور
عالمانہ وقار و تمکنت سے رہتے تھے۔ اُن کے معاصرین اُن کے علم و فضل کا دل سے
اعتراف کرتے تھے……امامِ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی اور فقیہ النفس حضرت
مفتی مطیع الرحمٰن صاحب رضوی کو اُن کی خدمت میں دوزانو مؤدب بیٹھتے مَیں نے دیکھا
ہے……خانقاہِ عالیہ رشیدیہ، جونپور اور اُس کی جملہ شاخوں گورکھ پور، غازی پور، بنارس،
کلکتہ، چمنی بازار پورنیہ کے وہ کوئی بارہ پندرہ سال کارگزار سجادہ نشیں رہے……مگر سجادہ
نشینی کا عہدہ……اور زیبِ سجادگی کا تمغہ کبھی قبول نہیں کیا……جلال و جمال کا سنگم تھے
……وابستگانِ سلسلہ کا بے پناہ اصرار تھا……مگر آپ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز نہیں ہوئے

......اور خانقاہوں میں اس عہدہ کے لیےلڑائی ہو جاتی ہے...... تیر و تلوار نکل آتی ہے
......اندازہ کیجیے......وہ کتنے بےنفس تھے...... بے نیاز تھے......
مکھیا عبدالخالق مرحوم بائسی اور اطرافِ بائسی میں بلا شرکت غیرے وہ زمین
دار اور صاحبِ اقتدار تھے......مگر جب حضرتِ اقدس کی آمد ہوتی......تو مکھیا مرحوم منہ
چھپائے پھرا کرتے......سامنا ہوتا تو بات نہیں کرتے...... اگر ہمت و کوشش سے بات
کر بھی لیتا......تو گھگی بندھ جاتی......حضرتِ اقدس کا اتنا رعب تھا......حضرتِ اقدس کی
ایک تو گرج دار آواز......دوسرے ہاتھ میں لہراتی ہوئی چھڑی...... ہر ایک خائف رہتا
......ایک دفعہ انہوں نے اپنی چھڑی کی نوکیلی نوک......مکھیا مرحوم کی توند میں چبھو دی
......وہ کپکپاتے تھرتھراتے رہ گئے ...... یہ اس لیے تھا......کہ حضرتِ اقدس کبھی دستِ
سوال دراز نہیں کرتے......گو دینی کام ہی کے لیے سہی......گویا زبانِ حال سے کہہ رہے
ہوتے......علم والے اپنا کام،کرتے ہیں...... مال والے اپنا فرض پورا کریں......کہنے کی
کیا ضرورت ہے......ایسی بے نیازی اِس دورِ قحط الرجال میں نظر نہیں آتی...... بیرون
ملک تک پھیلی ہوئی ہے......اِس دورِ قحط الرجال میں آتی......آج ہر عالم کا ایک مدرسہ
ہے...... ہر پیر کی الگ خانقاہ ہے...... نذرانے اور چندے کی جھولیاں ملک کیا......
بیرون ملک تک پھیلی ہوئی ہیں......

☆☆☆

بوڑھے بزرگوں سے گزارش

جوان اگر ٹھن جاتے ہیں......تو یہ اُن کے ٹھنک جانے کی عمر ہے...... بوڑھے
کیوں آمنے سامنے ہوں،تن کر کھڑے ہوں...... آستین کیوں چڑھالیں...... اُن کا
کام گرماؤ کو نرماؤ کا روپ دینا ہے......تناؤ کو بناؤ،ٹھناؤ کو ٹھنڈاؤ میں بدلنا ہے،ٹکراؤ،

اکڑاؤ کو مومیائی،الجھاؤ کو سلجھاؤ میں تبدیل کر دینا ہے......غضب،غصہ،جلال،طیش،
تپش کا پی جانا اللہ کے یہاں بلند رتبہ رکھتا ہے......قرآن اِس کا اعلان کرتا ہے،حدیث
تلقین کرتی ہے......تو کیا یہ صرف منبر و محراب،مجمع میں گلا پھاڑ کر بیان کرنے کے لیے
ہے......اس کی عملی صورت کا مظاہرہ کب ہوگا؟...... یاد رہے یہ قوم چمن ہے ......
بوڑھے ہی درخت ہیں،جوان پھول ہیں،بچّے کلیاں ہیں،صنفِ نازک بہنیں،بیٹیاں،
بہوئیں خوش بو ہیں......درخت جب ذرا ڈگمگائے گا...... یہ سب عناصر متأثر ہوں گے
......پھول کمہلائیں گے......کلیاں مرجھائیں گی،خوش بو اُڑ جائے گی......کہیے چمن کا کیا
حشر ہوگا......

بوڑھو! بزرگو! قبل اس کے حشر سامانی کا وہ تباہ کن منظر سامنے آئے،چمن کو
بچالو،تحفظ فراہم کردو،خود منظّم ہو جاؤ،جوانوں کو منظّم کردو،سیسہ پلائی دیوار چن دو،وہ
بصیرتیں عطا کردو......کہ امریکہ سے پہلے وہ مہر و ماہ،مریخ،مشتری،زحل،عطارد پر کمند
ڈال دیں......اُن کے ذہنوں پر حوصلوں کا وہ نشہ چڑھادو......کہ وہ فولاد بن کر کسی فرعونی
طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں ......دلوں میں وہ گرمی پیدا کردو......کہ وہ ملّت کے تن
بے جاں میں ایک نئی جان ڈال دیں......زبانوں کو وہ گویائی دے دو......کہ وہ کائنات
کے کونے کونے میں اسلام کی آواز بلند کرسکیں ......سنو! بوڑھو سنو!!......تم درخت
ہو......ہمیں سایے میں رکھو...... چھاؤں میں رکھو......اپنے پھل پھول سے فائدہ پہنچاؤ
......دیکھو! بوڑھو دیکھو!! وہ درخت،جو چھاؤں،پھل،پھول نہیں دیتا......وہ لکڑہارے
کی کلہاڑی سے کٹ کر چولہے کا ایندھن بن جاتا ہے......یہ دیکھیے ......گائے پوس گائے
کو گھاس پانی اس لیے دیتا ہے......کہ وہ دودھ دوہ سکے اور پھر گائے کتنی ہی بوڑھی،دُبلی
کیوں نہ ہو......بچّہ تھن چوستا ہی رہتا ہے...... وہ چساتی ہی رہتی ہے......گائے پالن
کرنے والے کی اگر یہ غرض پوری نہ ہوئی،تو نتیجہ معلوم ہے......قصاب کی دودھاری تیز

چھری اُس کی راہ تکتی ہے......

او بزرگو! ذرا کان لگا کر سنو!!......تم اس سانپ کی طرح غرض مندمت بن جاؤ، جو اپنے بچوں کو اپنی غذا بنا لیتا ہے......تم وہ ناگ مت ہو جاؤ...... جو دولت پر کنڈلی مار کر بیٹھا رہتا ہے......تم امریکیوں کی طرح سرمایہ پرست مت بن جاؤ......اپنی شخصیت کی نمائش میں روسیوں کی طرح پروپیگنڈہ باز مت بن جاؤ...... عیش پسندی میں فرانسیسی، زمانہ سازی میں انگریز، مطلب برآری میں اطالوی، غرض مندی میں سعودی، بذلہ سنجی میں ایرانی، تفرقہ اندازی میں ہندوستانی مت بنو...... کہ تمہاری عمر ڈھل چکی ہے...... پاؤں قبر میں لٹک چکے ہیں......موت سر پہ آ کھڑی ہے......خدا کو منہ دکھانا ہے......قوم کی مسئولیت کا جواب دینا ہے......وہ دیکھو، محشر بپا ہے......دربارِ عدالت تیار ہے......داورِ محشر کے سامنے دفترِ اعمال کھلنے والا ہے......سیاہ سفید کا حساب چکانا ہے......حرص و ہوس، ریا دکھاوا، من میں میل، دل میں کھوٹ، نیت میں فتور، سر میں سودائے خام کا پول کھلنے والا ہے۔

☆☆☆

جھینگر کی طرح کتابیں چاٹنے سے کوئی عالم نہیں ہوتا

جھینگر کی طرح کتاب چاٹ لینے سے انسان عالم نہیں ہوتا...... اگر ایسا ہوتا......تو جھینگر ہی سب سے بڑا عالم ہوتا......اُس کا ہم پلّہ تو کیا کوئی ہوتا......اُس کا سامنا ہوتے ہی پلّہ جھاڑ لیتا...... جھک کر سلام کرتا......نہایت عاجزی، معذرت خواہی کے ساتھ پتلی گلی سے نکل جاتا...... کیوں کہ جھینگر جس تیزی، تندہی سے کتابیں چاٹتا ہے......اُس کا مقابلہ کوئی ذہین شریف انسان کر ہی نہیں سکتا...... جتنے علوم و فنون کی کتابیں جھینگر چاٹتا ہے......انسان جنم جنم بھی تگ و تاز کرے......تو اُس کی رسائی اُن کتابوں

تک ہرگز نہیں ہو سکتی......دینی درس گاہوں، عصری دانش گاہوں، لائبریریوں، خانقاہوں، رسد گاہوں، تجربہ گاہوں، مشاہدہ گاہوں، آثارِ قدیمہ کی نوادرات گاہوں، مخطوطہ کے نگار خانوں، مسجدوں، مندروں، کلیساؤں، گردواروں، کتاب خانوں، کتاب گھروں، دانش کدوں، بت کدوں، ثروت کدوں، اسٹاکسٹ کے بھنڈاروں، چھاپہ خانوں، خیابانوں، غرض کہ جہاں کہیں بھی کتابیں ہوں، ذخیروں کے ذخیرے، بستوں کے بستے، الماریوں کی الماریاں، ڈھیروں کے ڈھیر، بھنڈاروں کے بھنڈار، جھینگر کتابیں چاٹتا ہی رہتا ہے...... پیدا ہوتے ہی وہ یہ کام شروع کرتا ہے......نہایت دیانت داری سے موت کی آخری گھڑی تک چاٹتا ہی چلا جاتا ہے......

بتائیے! انسان میں یہ قدرت کہاں ہے......وہ تو دس بیس کتابیں پڑھا، سند ملی، سٹیفکیٹ لیا، دستار سجائی، کیپ پہنا، مولوی لوگ منبر و محراب کی زینت بنے...... برہمن لوگ تیرتھ یاترا نکالے، مندروں میں گئے، سنکھ پھونکے، گھنٹیاں بجانے لگے...... پادری لوگ کلیساؤں میں جا بیٹھے......سکھ لوگ گردواروں میں ہری ہری ست کال کی صدائیں لگانے لگے...... مذہبی ہتھ کنڈے اپناتے گئے...... روپے اینٹھتے گئے...... دولت سمیٹتے گئے......اب کس کو فرصت کہ کتاب اُٹھا کر بھی دیکھے......قرآن، رامائن، انجیل، گروگرنتھ کی طرف جھانک کر بھی دیکھے......وہ تو بیچارہ جھینگر ہی ہے، جو دنیا، دنیا داری، دولت، ثروت، زمین جائیداد، کارخانے، فیکٹری، کار، بنگلہ، بینک بیلنس کے جھگڑے، لفڑے سے کوئی غرض نہیں رکھتا......نہایت اخلاص، اطمینان، یکسوئی کے ساتھ کتابیں چاٹتا رہتا ہے......ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، ہزاروں ہزار، لاکھوں لاکھ کتابیں چاٹتا ہے......مگر کیا مجال، اُس کا دل بھرے......ذہن تھکے......پھر طرفہ یہ کہ جھینگر کسی خاص مذہب کی کتاب نہیں چاٹتا...... ہر مذہب کی، ہر فن، ہر قسم کی کتابیں چاٹ لیتا ہے، پھر بھی اُسے آسودگی نہیں ہوتی......زیادہ سے زیادہ کی جستجو میں رہتا ہے

...... بتائیے، ایسی محنت، تلاش، چاٹا چاٹی کسی انسان سے ممکن ہے......تو کہیے جھینگر کتنا
بڑا ذخیرۂ علم رکھتا ہوگا۔

یہ کوئی انسان نہیں......جھینگر ہی ہے ......جس نے سقراط، بقراط، ارسطو،
افلاطون، طوسی، غوجی، بیرونی، بہادر خانی، اُلغ خانی کا فلسفہ، منطق، ہیئت، توقیت، تکسیر،
ریاضی، جیومیٹری، الجبرا، کیمیا، طب، ادویہ، جغرافیہ، مثلث، مسطح، اُکر، مناظر، مرایا سب
چاٹ ڈالا......تفسیر، حدیث، فقہ وفتاویٰ، کلام، اُصول، مناظرہ، ادب لغت، بلاغت،
قانون، تاریخ، تذکرہ، سوانح کی ساری کتابیں ہضم کر ڈالا......سوابھی بھی جی نہیں بھرا
...... تو تمام قدیم جدید، مابعد جدید کے سارے ادیبوں کے مقالات، تحقیقات،
تنقیدات، ناولوں، افسانوں، کہانیوں اور شاعروں کی شاعری، نظمیں، غزلیں،
قصیدے، مرثیے، رباعیات، قطعات تک نہیں چھوڑا......تاک تاک کر آیا......جھانک
جھانک کر دیکھا......لپک لپک کر ہضم کیا، کہیے کتنا علم کھایا، پیا، چاٹ کر رکھ دیا......اس
لیے کہہ لینے کی اجازت دیجیے......کتابیں چاٹ لینے سے انسان عالم نہیں ہوتا......جیسے
کہ آپ جھینگر کو عالم کہنے کے روادار نہیں ہیں......عالم وہ ہے، جو تھوڑا ہی پڑھے، اُس پر
عمل کرے بھی، عوام کو کرائے بھی ...... جب وہ خود ہی گم کردہ راہ ہو......تو دوسروں کی
رہبری کیوں کر سکتا ہے......اُس کی باتوں میں تاثیر کیوں کر پیدا ہوسکتی ہے......جھینگر کا
ہم پر احسان ہے......انسان کا نہیں، کیوں کہ انسان درپہ آزار ہے...... جب کہ جھینگر
برابر احسان کرتا چلا آ رہا ہے، جب انسان کتابیں پڑھے گا نہیں، دیکھے گا نہیں، نظر نہیں
رکھے گا ......کیوں کہ اس انسان کو جلسہ بلانے، میٹنگ کرنے، گپ شپ اُڑانے،
کانفرنس کرنے، منہ میں جھاگ پیدا ہونے کی حد تک گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریر کرنے، دعوتیں
کھانے، نذرانے بٹورنے سے فرصت نہیں۔ اگر کبھی تھوڑی فرصت ملی بھی، تو ہجو،
غیبت، چغل خوری کرنے، لگائی بجھائی کرنے، آگ میں بھس ڈال کر تماشہ دیکھنے،

تفرقہ ڈالنے، حرص، ہوس، حسد، تعصب کا بازار گرم کرنے میں وہ فرصت بھی ناکافی
ثابت ہوجاتی ہے......اب کہیے!! ایسی مصروف زندگی میں مطالعۂ کتب کا وقت وہ 'بیچارہ
انسان' کہاں سے نکالے گا۔ آخر گھر کے کام کاج، آل اولاد بھی تو ہیں۔ اب رہی کتب
بینی، کتاب خوانی کی بات، کسی اگلے جنم میں دیکھیں گے۔ ایسی صورت میں کتابیں ہیں،
بے یار و مددگار ہیں، بے گور و کفن ہیں ...... جہاں ہیں، پڑی کی پڑی ہیں ......موقع
غنیمت ہے، جھینگر مزے مزے لے کر کتابیں چاٹتا جاتا ہے......ہضم کرتا جاتا ہے......
اس اعتبار سے جھینگر کا ہم پر بڑا احسان ہے...... پڑی پڑی رکھی سڑ جاتیں تو کیا کرتے،
جھینگر نے کھالیا......احسان کیا......کم از کم اُس مخلوق کا پیٹ تو بھرا...... جب انسان
پیٹ پالتا پھرتا ہے......مفت خوری میں مبتلا ہے......جھینگر نے پیٹ پال لیا......تو کیا
گناہ کیا...... یہ تو اُس کا احسان مانیے کہ اُس نے کتابیں چاٹ لیں، اُس کا پیٹ بھر گیا
......کتابیں بھی محفوظ ہوگئیں......آپ کی جگہ بھی خالی ہوگئی ......اب آپ اس جگہ کو کسی
اور کام میں استعمال کر سکتے ہیں......کیا یہ احسان نہیں؟......ایک خالی جگہ مل گئی......اب
آپ وہاں ڈائننگ ٹیبل، صوفہ سیٹ، میٹنگ روم، شوکیس رکھ سکتے ہیں، کچھ بھی کر سکتے
ہیں، کبوتر بھی پال سکتے ہیں، بٹیر بھی لڑا سکتے ہیں......

تحریر مضمون کے وقت ایک آدمی آیا، مضمون سُنا، تو بول پڑا، جھینگر حرام خور
ہے، شکم پرست ہے، مجھے بُرا لگا...... اپنی عادت کے مطابق منہ پر کہہ دیا...... ہاں
صاحب! جھینگر ہی حرام خور، شکم پرست نہیں، ہم، آپ بھی ہیں......مولوی ملّا، سادھو،
گرو، پوپ پادری کون ہے جو حرام خوری نہیں کرتا...... جب حلال سے پیٹ نہیں بھرتا،
خواہش پوری نہیں ہوتی، تو ہر کوئی حرام خوری پر اُتر آتا ہے۔

☆ ☆ ☆

لکھیں، پڑھیں تو کیسے؟

بڑے پیروں کا ...... کتنا کام ہے ...... گدّی نشینی ...... عرس، اعراس کی تقریبات ......آنے جانے والوں کا اژدہام ......دوروں پر دورے ......کانفرنسوں کی صدارتیں ......سرپرستیاں ......دعوتوں پر دعوتیں ......ضیافوں پر ضیافتیں ...... ملک میں رہیں ...... بیرون ملک رہیں ......کیا کریں کہاں جائیں ......کہاں رہیں ......ختنہ تک کے پروگراموں میں جانا پڑتا ہے ......قوم پیچھا نہیں چھوڑتی ......آخر گھر کے بھی تو کام کاج ہیں ......ایک پل فرصت نہیں ......گھڑی بھر فرصت نہیں ......آپ ہی کہیے ......
لکھیں پڑھیں تو کیسے؟......

چھوٹے پیر، بڑے تو بڑے بھیا ......چھٹ بھیا، سبحان اللہ ...... یہ قوم اتنی بے رحم ہے ...... اِن چھوٹے پیروں کی حالت ......جھولا چھاپ ڈاکٹروں سے بدتر بنا رکھی ہے ......جہاں بڑے ہاتھ نہیں آتے ......وہاں انھیں چھوٹوں کو جانا پڑتا ہے ......شہر شہر ......دیہات دیہات ......گھر گھر ......دکان دکان ......آفس آفس ...... ہر ہر دروازے ...... ہر ہر جھونپڑے تک دوڑ دوڑ کر ...... جھک جھک کر، دھوپ، بارش، پانی، کیچڑ ...... سواری ہو یا پیدل ...... بہرصورت تشریف لانا ہے ......قوم کی محبت ہے ......قوم کا کام ہے ......قوم کی خدمت ہے ......اب آپ ہی کہیے ......لکھیں پڑھیں تو کیسے؟......

مدارس کے سربراہِ اعلیٰ وناظمِ اعلیٰ حضرات ......اُن کی ذمّے داریاں کیا کم ہیں ...... چھ مہینے چندہ کرنے میں ...... چھ مہینے حساب کرنے میں گزر جاتے ہیں ...... ابھی سانس ہی لیا کہ رمضان آ گیا ...... پیٹ پر پتھر باندھ کر ......اگر یہ حضرات گرامی قدر ...... بھاگ دوڑ ......جدوجہد نہ کریں ......تو قوم کے بچوں کا کیا ہوگا ...... یہ قوم جو پہلے ہی سے حلق حلق تک ......ناکوں ناک جہالت میں ڈوبی ہوئی ہے ...... پاؤں سے سر تک

غرق ہو جائے گی ...... یہ یہی بلند پایہ ہستیاں تو ہیں ...... جو بچوں کو بنانے سنوارنے میں مصروف رہتی ہیں ...... یہ ایسی مخلص ہستیاں ہیں ......جن کو اپنی اولاد کی فکر نہیں ......قوم کے بچوں کے لیے ......دین متین کے لیے ......شریعت کی بالادستی کے لیے ...... جہالت کے خاتمے کے لیے ......فکریں کرتی ہیں ...... دماغ جلاتی ہیں ......سر کھپاتی ہیں ...... ایک لمحہ راحت میسر نہیں ......اب آپ ہی کہیے ......لکھیں، پڑھیں تو کیسے؟......

مدارس کے مدرّس حضرات ...... یہ بے چارے صبح سے شام تک پڑھاتے ہیں ......رات کو مطالعہ کرتے ہیں، اُن کے فرائض میں یہ بھی ہے ...... مدرسہ کے سربراہ و ناظم ...... جب تشریف لائیں ......تو سر جھکائے ہاتھ باندھے کورنش بجالانا ہے ......پھر دم سادھے اُن کی ہدایت اور دھمکیاں بھی سننی ہیں ......خوف کے سائے میں رہتے ہیں، اگر کچھ باذوق حضرات نے ......کوئی کتاب لکھ لی ......کوئی دوسرا مدرسہ کھول لیا ...... معاونین سے رابطہ کر لیا ......پھر تو اُن کی برطرفی یقینی ہے ......کردارکشی کی مہم بھی چھیڑی جاسکتی ہے ...... کیوں کہ یہ کام سربراہوں، ناظموں کے خلاف ہوا ......انہیں پوچھ کر ...... یا اُن کے ماتحت کیوں نہیں کیا گیا ......اب آپ ہی کہیے ......لکھیں پڑھیں تو کیسے؟......

مقرر حضرات ...... اِن حضرات کی ذمّے داریاں ......کیا تھوڑے ہی کم ہیں ...... جب انسان بوڑھا ہوتا ہے ......تو اُس کا ایک پاؤں گھر میں ...... دوسرا قبر میں ہوتا ہے ......مقرر حضرات کا ایک پاؤں بھی گھر میں نہیں ...... غلط نہ سمجھیں ...... دونوں سفر میں رہتے ہیں، بال بچوں سے ملنے کا موقع نہیں ...... گو اُن کی ٹرین، پلین ......ان کے گاؤں سے گزرے ...... چھلانگ تو لگا نہیں سکتے ......اگر کسی صورت اُتر گئے ......تو اتنا بڑا پروگرام ......قوم کا کتنا بڑا نقصان ہوگا ...... وعدہ خلافی بھی ہوگی ...... مارکیٹ بھی خراب ہوگی ......اس لیے اُتر نہیں سکتے ...... جب اِن حضرات کو گھر اُترنے کی گنجائش نہیں ...... تو آپ ہی کہیے ......لکھیں پڑھیں تو کیسے؟......

مساجد کے ائمہ حضرات ......سب سے بڑی ڈیوٹی انہیں حضرات کی ہے...... لوگوں کی ڈیوٹی چار پانچ گھنٹے کی...... آٹھ دس گھنٹے کی......دن کی یا رات کی ہوتی ہے ......ائمہ حضرات تو چوبیس گھنٹے بندھے رہتے ہیں......کوئی یہ نہ کہے...... پانچ وقت کی امامت کے سوا کیا ہے......ارے! ٹیوشن ہے......قرآن خوانی ہے......تعویذ نویسی ہے ......نکاح خوانی ہے...... فاتحہ خوانی ہے......کلمہ خوانی......سورہ بقرہ ویٰسین شریف خوانی ہے......کھانا تو آپ لاکرنہیں دیتے......وہ بھی لانا ہے......پھر بیٹھ کر کھانا بھی ایک کام ہے......کسی کے مرنے کا وقت متعین نہیں...... بے وقت مرے کوئی...... بے چین ہوں امام صاحب......قیلولہ ہو یا لیلولہ......ابھی سوئے نہیں......میت آ گئی......کچی نیند سے جگایا......گھسیٹ کر لایا......نمازِ جنازہ پڑھایا......یہیں چھٹّی نہیں قبرستان جانا ہے...... قبر میں اُتارنا ہے......اب بھی چھٹکارا نہیں...... چالیس دن تک گھر پہنچ کر قرآن پڑھنا ہے...... بیٹا، پوتا، گھر کے افراد کو فرصت نہیں...... دو تین ہزار تنخواہ......ڈیوٹی تیس دن ...... ہر دن چوبیس گھنٹے......اگر گھنٹوں کی تعداد زیادہ ہوتی......تو شاید اس میں بھی امام صاحب کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا...... اب آپ کہیے......لکھیں پڑھیں تو کیسے؟......

یہ بلند قامت حضرات......جن کا ذکر اوپر آیا ہے......مذہبی بساط اہلِ سُنّت کے قائدین ہیں......مجاہدین ہیں، علما ہیں......زعما ہیں......نہ لکھنا پڑھنا اُن کی مجبوری ہے......وقت نہیں، فرصت نہیں، ذہنی سکون نہیں...... فارغ البالی نہیں...... یہ عجب قوم ہے......ختنہ کی محفل تک بلا لیتی ہے......خود تو لکھتی پڑھتی نہیں...... دوسرں کو بھی لکھنے پڑھنے نہیں دیتی......اس لیے ان کا کیا قصور......قصور تو قوم کا ہے......خود تو لکھنے پڑھنے سے پلّہ جھاڑ لیا......دوسروں سے بھی لکھنا پڑھنا چھڑا دیا......اب سارا کام زبانی ہے ......سماعی ہے......تقریری ہے......مجلسی و اجلاسی ہے......اسی سے قوم زندہ ہے......

ترقی پر ہے......عزت و آبرو قائم ہے......خوش حالی کی راہ پر گام زن ہے......خدا نہ کرے......لکھائی پڑھائی چالو ہوگئی......تو تنزلی شروع ہو جائے گی......

خشمگیں نظروں سے......کرخت لہجے میں کوئی کہہ سکتا ہے...... بڑا بنتا ہے لکھائی پڑھائی کی بات کرنے والا......سمع خراشی کرتا ہے......خرد ماغی کرتا ہے......لکھ پڑھ کر کون مال دار ہوا ہے...... پیسہ جب یوں ہی آتا ہے......تو لکھنے پڑھنے میں...... دماغ سوزی...... بھیجہ پھوڑی...... آنکھوں کی بینائی...... اچھی خاصی صحت کو خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟......دیکھ غلام جابر دیکھ......نہ تو سقراط رہا......نہ بقراط رہا ......نہ ارسطو و افلاطون رہا......تمام محققوں کی تحقیقات......تمام مصنفوں کی تصنیفات ......دیمک کھا گئی......جھینگر چاٹ کر گیا......تم بھی لکھتے پڑھتے ہو......تمہارا حشر بھی یہی ہوگا......زندگی اُن کو ملتی ہے......جن کا نام زبانوں پر رہتا ہے......سینوں میں رہتا ہے ...... سینے سے بڑھ کر صحیفہ نہیں......زبانوں سے بڑھ کر قلم نہیں......نعروں سے بڑھ کر اوراق نہیں......اوراق تو دیمک کی خوراک بن جاتے ہیں......قد آدم اشتہارات سے بڑھ کر کتابی صفحات نہیں...... صفحات تو سڑ سکتے ہیں......جل سکتے ہیں......اشتہارات تو کانچ سے فریم کر دیئے جاتے ہیں...... کتابیں تو الماریوں میں بند رہتی ہیں......کوئی نہیں پڑھتا......اشتہارات تو دیواروں پر چسپاں ہوتے ہیں......سب پڑھتے نہیں، تو دیکھ ضرور لیتے ہیں......تحریروں سے وہ گرمی پیدا نہیں ہوتی...... جو تقریروں سے ہوتی ہے ......خشک تحقیقات سے خوابیدہ جذبات اُبھارے نہیں جا سکتے...... فلک شگاف نعروں سے قوم میں زندگی کی لہر دوڑائی جاتی ہے......یہی وہ نعرے ہیں......میدانِ جنگ میں، جن سے بڑے بڑے معرکے سر کیے گئے ہیں......مجاہدینِ اسلام کو آمادۂ پیکار کیا گیا ہے......نعروں کی جھنکار سے دل اُچھل جاتے ہیں......آنکھیں بہہ پڑتی ہیں...... دولت مندوں کی تجوریاں اُمنڈنے لگتی ہیں...... یہ سارا کمال تقریروں اور

نعروں کا ہے......تحریروں کا نہیں......تقریر اور نعرہ......ایک ناقابلِ تسخیر قوت کا نام ہے ......اس پر ہم یقین رکھتے ہیں......اس لیے نعروں کی بنیاد پر ہی ہم اپنی قوم کو بیدار رکھیں گے......جماعت کو زندہ رکھیں گے۔

☆ ☆ ☆

چلیں اہرامِ مصر دیکھیں

پہلے یہ دیکھیے......مصر کے شمال میں بحر روم ہے......جنوب میں سوڈان ہے ......مغرب میں لیبیا ہے......مشرق میں اسرائیل بھی ہے......بحیرۂ قلزم، بحر احمر بھی ہے ......مصر کی آبادی چھ کروڑ سے کچھ زائد ہے......ملک کی ۹۵ فی صد زمین پہاڑی، صحرائی ہے...... پہاڑ بیابان، صحرا میں یا تو آبادی ہی نہیں ہے یا کچھ ہے بھی......تو بس وہی پہاڑی لوگ، صحرائی باشندے یا خانہ بدوش چرواہے......مصر کی قریب دو تہائی آبادی قاہرہ اور اُس کے مضافات میں بسی ہوئی ہے......مصر کی کُل آبادی تقریباً دریائے نیل کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی ہے...... یہ وہی نیل ہے...... جو دنیا کے تمام دریاؤں کے برعکس جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے......مصر کا سب سے بڑا شہر قاہرہ ہے...... دارالحکومت بھی یہیں ہے...... بین الاقوامی خوب صورت ایرپورٹ بھی یہیں ہے...... ہزار سال پرانی جامع ازہر بھی یہیں ہے......جو مغرب کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے زیادہ مشہور ہے......مصر وروود گاہِ انبیا ہے......ملکہ قلوپطرہ کی دھرتی ہے، فرعونوں کا پایۂ تخت ہے......حسین لوگوں کی سرزمین ہے......شور مچاتے بہتے نیل کا مسکن ہے......

مصر کی تاریخ پانچ ہزار سے زیادہ پرانی ہے......تاریخی اعتبار سے مصر کا پہلا حکمراں 'میمفس' تھا......جس نے قبل مسیح تین ہزار سال اپنی حکومت بنائی...... یہی حکومت قبل مسیح ۳۲۲ ر تک قائم رہی......اس طویل مدّت میں تیس مصری بادشاہوں یا

فرعونوں نے حکومت کی......سکندرِ اعظم یونانی نے ۳۲۲ ق م میں مصر پر حملہ کیا......اس کے نتیجے میں اُس قدیم حکومت کا خاتمہ ہوگیا......پھر تین صدیوں بعد روم نے اُس پر قبضہ کیا......۶۱۶ء میں ایران نے پہل کی اور اپنا تسلط قائم کیا......خلیفۂ دوم حضرت عمر کے زمانے میں مسلم جرنیل صحابی حضرت عمرو بن العاص نے ایرانی تسلط کو ہٹا کر فتح مندی کا پرچم لہرایا......۱۵۱۷ء میں مصر خلافتِ عثمانیہ کا حصہ قرار پایا......۱۷۹۸ء میں نپولین بونا پارٹ نے اپنا قبضہ جمایا......۱۸۰۱ء میں برطانوی وتر کی لشکر نے فرانسیسیوں کو بے دخل کر دیا اور ایک البانوی سپہ سالار محمد علی اس کا بادشاہ بنا......جامع محمد علی مصر کی مشہور مسجد ہے......۱۹۱۴ء میں برطانیہ کے قبضے میں چلا گیا...... ۱۹۴۸ء کے قیامِ اسرائیل کی جنگ میں مصر نے اہم رول ادا کیا......مگر شکست سے دوچار ہوا......۱۹۵۳ء میں مصر ایک خود مختار جمہوری ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھرا......

مصر کے بڑے شہر قاہرہ، اسکندریہ، جیزہ، میمفس، اسوان وغیرہ ہے......قاہرہ وہی شہر ہے......جس کو شرقِ اوسط و افریقہ کا متحرک دل کہا جاتا ہے......قاہرہ کی آبادی تقریباً پونے دوسو کروڑ ہے......قاہرہ کی لمبائی چوڑائی بھی قریب دوسو پندرہ کلومیٹر ہے ......یہ نابغۂ روزگار شہر قدیم و جدید دو حصوں میں بٹا ہوا ہے......مشرقی حصے میں قدامت کی جھلک ہے......تو مغربی علاقے میں جدیدیت کا عکس ہے......قاہرہ میں میوزیم ہی نہیں...... پورا قاہرہ ہی میوزیم ہے...... قاہرہ ہی پورے مصر کا سیاسی، تجارتی تعلیمی، ثقافتی، صنعتی، اقتصادی مرکز و محور بھی ہے......قاہرہ ہی سے قریب شہر جیزہ ہے......جو نیل کے اُس پار ہے جہاں اہرامِ مصر ہے......میمفس شہر وہی قدیم حکمراں، جس نے مصری یا فرعونی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی......اُس کے نام سے منسوب ہے......شہر اسوان، یہ وہ شہر ہے...... جہاں سنگِ مرمر سے زیادہ خوب صورت اور قیمتی پتھر 'گرینائٹ' کے بڑے بڑے پہاڑ اور کانیں ہیں......

چلتے چلتے 'قاہرہ' کی وجہ تسمیہ بھی سنتے چلیے ......قاہرہ دراصل عربوں کا بسایا ہوا شہر ہے......اس سے پہلے شہر میمفس کو ہی مرکزیت حاصل تھی ......قاہرہ جو اُس وقت ایک بیابانی حصہ تھا......یہیں جرنیل صحابیِ رسول حضرت عمرو بن العاص نے اپنا اور اپنے لشکروں کے خیمے نصب کیے تھے ......مریخ کو عربی زبان میں 'القاہر' کہا گیا ہے ...... غالباً جس وقت یہ خیموں کا شہر آباد ہو رہا تھا......مریخ آسمان پر روشن تھا......لہٰذا یہ شہر فسطاط فاطمیوں کے دور میں 'قاہرہ' کہلایا......یہی شہر قاہرہ جو اپنے سینے میں مزاراتِ اولیا، مقاماتِ مقدّسہ کو چھپائے ہوئے ہے، ازہر یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے شرقِ اوسط کا ہی نہیں، عالمِ اسلام کا بھی دھڑکتا دل ہے......

پورے مصر میں اہرام کی تعداد ایک سو سے زائد ہے......لیکن 'جیزہ' کے اہرام ہی خصوصی شہرت کے حامل ہیں...... یہ مثلث نما، تکونی، مخروطی شکل کی مینار نما عمارتیں ہیں......جیزہ کے یہ تینوں اہرام تین بڑے فراعنہ مصر کے مقابر یا معابد کے طور پر بنائے گئے تھے، ایک کا نام 'خوفو' ہے، دوسرے کا نام 'خافرے' اور تیسرے کا نام 'مین کاورے' ہے......اس کے قریب ہی 'ابوالہول' کا مجسمہ ہے......جیزہ کے اہرام قریب ساڑھے چار ہزار سال پرانے ہیں...... یہ دنیا کے سات عجائب میں سے ایک ہے...... جو آج اپنی اصلی حالت میں موجود ہے...... جو سب سے بڑا اہرام ہے......اس میں جو پتھر کی سلیں لگی ہیں......اُن کا وزن بیس لاکھ ٹن سے بھی زیادہ ہے......ایک ایک سِل پندرہ ٹن سے بھی زائد وزنی ہے...... اندرونی حصوں میں گرینائٹ کا استعمال ہوا ہے۔ ایک گرینائٹ کا وزن ساٹھ ستر ٹن تک ہے...... یہ گرینائٹ شہر اسوان سے لایا گیا تھا...... جو جیزہ سے قریب چھ سو کلومیٹر جنوب میں واقع ہے......اتنے بڑے پتھر اتنی مسافت سے کیوں کر لائے گئے تھے...... باعثِ تعجب ہے...... جب کہ اُس دور میں 'لِفٹر' اور 'کرین' کا شاید رواج بھی نہیں تھا...... ماہرین کے مطابق پتھر اور زمین پر حد درجہ چکنائی

کا استعمال کیا جاتا تھا......اِس طرح پھِسلا پھِسلا کر نیل تک لایا جاتا تھا......پھر بذریعہ کشتی جیزہ پہنچایا گیا تھا...... بڑی بڑی سِلوں، ستونوں کی لمبائی چوڑائی دیکھ کر یہ بھی باعثِ حیرت ہے......کیسے کیسے کاٹے، تراشے گئے تھے......

سب سے بڑے اہرام کی اونچائی ۴۸۱/ بتائی گئی ہے......اس کا کھلا مطلب یہ ہوا......کہ آج کل کسی ساٹھ ستر منزلہ فلک بوس بلڈنگ سے بھی زیادہ اونچا ہے......اس کا مجموعی وزن ۵۱۹ ملین ٹن بتایا گیا ہے......اس کی چوڑائی قریب تیرہ ایکڑ زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے......اس کے بنانے سنوارنے میں تیس سال سے زائد کا عرصہ لگ گیا ......قریب سے دیکھنے پر دو پتھروں کا جوڑ واضح ہے......دور سے دیکھیں......تو پورا اہرام یک جان نظر آئے گا......یہی تین اہرام ہیں، جسے دیکھنے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں ......شعبۂ سیاحت سے حکومت مصر کو خاصی یافت بھی ہے......جیزہ کے آس پاس اور نیل کے دوش پر ہی ۳۵/ اہرام اور ہیں...... جو اِن تینوں سے نسبتاً چھوٹے ہیں......میمفس اور دوسرے مقامات پر بھی اہرام موجود ہیں......اہرام کی مخروطی شکل کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے ......فراعنہ مصر کے نزدیک سورج اور اُس کی شعاعوں کی بڑی اہمیت تھی......اس لیے تعمیرِ اہرام کے وقت اس کا خاص خیال رکھا گیا......تاکہ سورج کی شعاعوں میں اہرام بھی نہاتے رہیں اور اندر دفن فراعنہ بھی دھوپ کی لذت سے شادکام ہوں......پھر فراعنہ کی روحیں شعاعوں کے ذریعہ بلندی پر جا کر اپنے خداؤں سے رابطہ کر سکیں......

ماہرین آثارِ قدیمہ کے مطابق سب سے پہلا اہرام جو تعمیر کیا گیا...... وہ ۲۶۵۰ سال قبل مسیح کا ہے......اُس میں بڑی اونچی سیڑھیاں بھی ہیں......اس لیے اس کو 'سیڑھیوں والا اہرام' بھی کہا جاتا ہے...... یہ وہی قدیم مصری راج دھانی میمفس کے علاقہ 'صخارہ' نامی مقام پر ہے...... جو قاہرہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے...... یہ 'زوسر' نام کے فرعون کے لیے بنایا گیا تھا......اس اہرام کے معمار کا نام تاریخ میں 'ایمن

حوطب' بتایا گیا ہے......تاریخ میں یہ بھی ملتا ہے......اہرام میں صرف اپنے وقت کا فرعون ہی دفن نہیں ہوتا تھا...... بلکہ اُس کے ساتھ ہیرے، جواہرات، تخت و تاج کے نشانات، قیمتی خزانے اور اُس سے وابستہ یادگار چیزیں بھی دفنائی جاتی تھیں......ساتھ ہی کتبہ بھی لگایا جاتا تھا......جس میں اُس فرعون کی تمام تفصیلات درج ہوتی تھیں...... جگہ جگہ وہ کتبات آج بھی موجود پائے جاتے ہیں......ماہرین و محققین اِس بات پر متفق ہیں ......مصر میں اہرام کی شکل میں یا غاروں میں نہ جانے کتنے خزانے، ہیرے جواہرات، سونے چاندی کے تخت، تاج، کرسیاں، ماسک، زرہیں، کھانے پینے کے برتن، ہتھیار، اوزار، لباس، کھیل کود، لعب ولہب کے سامان دفن کیے گئے ہیں......وقفے وقفے سے تحقیق و تفتیش اور کھدائی سے اِس کا انکشاف ہوتا رہتا ہے......

اہرام بنانے کی وجہ جو تاریخ میں درج ہے......وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان سے پہلے مصر کے بادشاہ 'سورید' نے خواب دیکھا تھا......اُس وقت کے نجومیوں، کاہنوں نے بادشاہ کو یہ تعبیر بتائی......مصر پر سخت آفت آنے والی ہے...... چنانچہ تعمیر اہرام کا حکم دیا گیا......قدیم مصری فراعنہ کا یہ عقیدہ تھا......اگر انسانی جسم کو کسی طرح محفوظ رکھا گیا......تو دوبارہ روح اُس میں داخل ہوسکتی ہے۔اسی واہمہ کی بنیاد پر اہرام تیار کیا جاتا......جو آج وقتاً فوقتاً دریافت ہورہے ہیں......تناسخ کا عقیدہ جو بالکل غلط ہے......اگر اُس میں ذرا وسعت پیدا کردی جائے......تو فرعونوں پر بھی اس کا مفہوم فٹ آسکتا ہے......اور ہندوستان کے 'پنر جنم' (Rebirth) کے فلسفے پر بھی......کیوں کہ ہندوستان کے ہندؤوں میں بھی یہ تصور 'پنر جنم' پایا جاتا ہے......حق یہ ہے......نہ تو تناسخ درست ہے، نہ فراعنہ مصر کا نظریہ درست ہے اور نہ یہ پنر جنم ہی صحیح ہے۔

☆ ☆ ☆

قصہ آل انڈیا تنظیموں کا

آل انڈیا تنظیم...... آل انڈیا تحریک......آل انڈیا محاذ......آل انڈیا کونسل ......آل انڈیا اکیڈمی......جی ہاں......سب آل انڈیا ہے......آل محلّہ ایک نہیں...... اپنے وقتِ ولادت سے ہی وہ آل انڈیا ہے......نہیں، وقتِ ولادت سے نہیں......وجود میں آنے سے پہلے......بہت پہلے آل انڈیا ہوتی ہے......کیوں کہ جب کسی تنظیم کا تصور ذہن میں آتا ہے......تو وہ تصور ہی میں آل انڈیا بن کر اُبھرتا ہے......آل انڈیا سے نیچے......نہ کوئی درجہ ہے، نہ کوئی رقبہ......اپنا رقبہ انڈیا کے کونے کونے تک پھیلا ہوا ہے ......دائرۂ عمل تو وہی ہوگا......لہٰذا آل انڈیا ہونا ضرورت سے زیادہ ضروری ہے...... تاکہ پچھّم میں پاکستان، یورپ، بنگلہ دیش، چائنا، اُتّر میں نیپال......دکھن میں سری لنکا ہماری ایک رتّی زمین پر قبضہ نہ کرسکے...... نیپال، بنگلہ دیش، سری لنکا سے تو زیادہ ڈر نہیں......چائنا سے بھی زیادہ خوف نہیں......البتہ پاکستان تو ہمارا کٹّر حریف ہے...... اس سے ہر وقت، حد درجہ خطرہ لاحق رہتا ہے......اس لیے سیاسی تنظیموں کا آل انڈیا ہونا مناسب ہی نہیں......نہایت کمپلسری ہے......

ہم یہاں مذہبی تنظیموں کی بات کرتے ہیں......مذہبی درس گاہوں میں، تصور و تصدیق کی بحث خوب توجہ سے پڑھائی جاتی ہے......تصور وجودِ خارجی نہیں چاہتا......یہ وجودِ خارجی تصدیق کے لیے لازم ہے......تصور میں وجودِ ذہنی ہی سے کام چل جاتا ہے ......ذہنی وجود تو ایک تخیل ہے......حقیقت نہیں...... پہاڑ کا تصور کریں......ذہن پھٹ نہیں جاتا......آگ کا تصور کریں......ذہن جل نہیں جاتا......بس ایک ذہنی سوچ ہے ......خیالی پلاؤ......خیالی تصویر ہے......خیالی پلاؤ تو جلد ہی حقیقی پلاؤ میں بدل جائے گا ......مگر وہ تنظیم کبھی آل انڈیا نہیں بن پائے گی......تو تصور کرلینے میں حرج کیا ہے......

جب کچھ سوچو تو کچھ بڑا ہی سوچو...... خواب دیکھو، بڑا دیکھو...... گو اُس کی تعبیر کبھی بھی نہ ہونے پائے...... لہٰذا جب کوئی تنظیم بنتی ہے...... آل انڈیا بنتی ہے...... بنانے والا بنا رہا ہے...... خواب دیکھ رہا ہے...... خواب دیکھنے پر کوئی پابندی تو لگا نہیں سکتا...... یہ انڈیا ہے...... جہاں حکومت کی پابندی کا انسان پابند نہیں ہوتا...... یہ آزاد ملک ہے...... ہر ایک آزاد ہے...... کوئی غلام نہیں...... اگر غلامی پسند ہوتی...... تو بڈّھی برطانیہ سے لڑتے کیوں...... جب آزادی ملی ہے...... آزاد رہو...... جو کام کرو...... آزادی سے کرو...... کسی کو کھجلی ہوئی ہے...... جو کسی کی آزادی چھیننے جائے...... لہٰذا پوری آزادی سے روز ایک نہ ایک آل انڈیا تنظیم پیدا ہو رہی ہے...... ہر چند کہ وہ آل انڈیا ہے...... مگر جیسی ہے...... پاکٹ سائز ہے...... نہ کبھی پاکٹ سائز سے بڑی ہوگی...... نہ کبھی جیب سے باہر آئے گی...... باہر آنے کی ضرورت بھی کیا...... ہر کام تو جیب سے ہی ہوتا ہے...... جیب سے باہر نکالنے کی ضرورت کیا...... البتہ جیب میں ڈالنے کی سخت ضرورت ہے......

جی ہاں! یہ آل انڈیا تنظیم ہے...... اگر کبھی جیب سے باہر آ بھی گئی...... ایک عدد خوب صورت بورڈ تک...... اب وہ بورڈ آل انڈیا تنظیم کا بوجھ اُٹھائے ہوا میں معلق ہے...... یا کسی دیوار سے چسپاں ہے...... یا کسی بانس یا بجلی کے کھمبے سے لٹک رہا ہے...... یہ بورڈ خوش نصیب ہے...... لوگوں کی نظر میں ہے...... یا وہ اپنی بدنصیبی پر نوحہ کناں ہے...... تنہا وہ لٹک رہا ہے...... جیسے سولی پر چڑھا ہو...... کوئی پُرسانِ حال نہیں...... اگر وہ تنظیم...... جیب اور بورڈ سے اُتر کر کوئی عملی پیش رفت کرتی بھی ہے...... تو صدر، سیکریٹری، ناظم، خازن چار آدمیوں کی میٹنگ ہوگی...... چائے پانی گپ شپ ہوگی...... تاکہ لوگوں کو معلوم ہو...... کہ ہمارے محلّے میں کوئی آل انڈیا تنظیم بھی ہے...... محلّے والوں کو معلوم ہونا بھی ضروری ہے...... تاکہ لوگ انہیں بطور صدر، سربراہ، سیکریٹری جان سکیں...... اور یہ صدر، سیکریٹری، ہر کارِ خیر کے موقع پر اُن سے رابطہ کرسکیں...... چونکہ یہ

آل انڈیا تنظیم ہے...... آل انڈیا پیمانے پر کام کرنے کے لیے فنڈ کی ضرورت ہے...... وہ بھی بڑے فنڈ کی......

تکلف برطرف...... ہر چیز چھوٹی سے بڑی ہوتی ہے...... آج وہ چھوٹی ہے...... کل تو بڑی ضرور ہوگی...... اس لیے بڑا سرمایہ چاہیے...... تاکہ ارکان اس نوزائیدہ جیسی تنظیم کو آل انڈیا سطح پر لے جاسکیں...... اچھا آل انڈیا کی قید شاید اس لیے بھی لگائی جاتی ہے...... ارکانِ تنظیم یا اُن کا محلّہ انڈیا ہی کا ایک جز ہے...... سب جانتے ہیں...... جز سے کُل بنتا ہے...... آج وہ جز ہے...... کل تو کُل بن ہی جائے گا...... یہ اور بات ہے...... اس کی نوبت کبھی نہیں آئے گی...... کیونکہ بانی وسربراہ وصدرِ اعلیٰ، بانی و جنرل سیکریٹری کے اپنی عمرِ طبعی تک پہنچنے سے قبل ہی وہ آل انڈیا تنظیم اپنے مرگ تک پہنچ جائے گی...... یہ تو مشاہدہ ہے...... کسی دلیل کی کیا ضرورت...... اگر وہ تنظیم لنگڑاتے لنجاتے کسی طرح زندہ رہ بھی گئی...... جو کام سلف سے نہ ہوسکا...... وہ خلف سے کیا ہوگا...... خلف بھی تو اپنے سلف کی راہ ہی چلیں گے...... آگے جانے کی گستاخی وہ کیوں کر کریں گے...... پھر خلف تو خلف ہے...... بالعموم خلف وولی عہد ناخلف ہی ہوتے ہیں...... وہ باپ دادا کی شہرت و نام وری کے سہارے چلتے ہیں...... اور اسی بیساکھی کے سہارے زندگی نہایت آرام کی گزار لیتے ہیں...... لہٰذا وہ آل انڈیا تنظیم سمٹ سکڑ کر اور دُبلی ہوجاتی ہے...... لاغر جسم اپنی زندگی کا بوجھ کب تک ڈھوئے گا...... اب نہیں...... تو تب فنا ہی مقدر ہے...... یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے...... جو لوگ آل انڈیا تنظیم بناتے ہیں...... پہلے وہ ماضی کی آل انڈیا تنظیم کو بے جان کرتے ہیں...... پھر مار ڈالتے ہیں...... پھر دفن کردیتے ہیں...... اس اعتبار سے وہ لوگ گورکن کہے جانے کے مستحق بھی ہیں...... دیکھنا یہ ہے...... وہ ایسا کیوں کرتے ہیں...... کیا کام کرنے کے لیے...... ماضی کی تنظیمیں کافی نہیں تھیں...... وہ تو اپنے کام...... عمر، اصول کے لحاظ سے بہرحال

بہت بہتر تھیں ...... کام کرنا مقصد ہوتا ...... تو اُن اسلاف کی تنظیموں کو زندہ رکھتے ...... بحال و متحرک رکھتے ...... کام بھی زیادہ ہوتا ...... اثرات بھی زیادہ ہوتے ...... ماضی کی تنظیموں کو زندہ درگور کرنے کی ایک وجہ تو یہ بھی معلوم ہوتی ہے ...... یہاں ہر آدمی کو، بانی، کہلانے کا بہت شوق ہے ...... اگلی تنظیم دفن کر کے دوسری نہ بناتے ...... تو پھر 'بانی' کیوں کر کہلاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے ...... کہ صدر، سکریٹری کے عہدے پر کیسے پہنچتے ...... آل انڈیا سطح کی تنظیم کا تو صدر، سکریٹری ایک ایک ہی ہوگا ...... یہاں ہر ایک کو بننا کہلوانا ہے ...... یہ کام بنا گورکن بنے ممکن ہی نہیں تھا ......

بانی کہلانے کا شوق بے جا ...... اور صدر سکریٹری بنے رہنے کی بدترین لت ہے ...... جس نے پرانی بامقصد تنظیموں کو پہلے زندہ درگور کرنے پر اُبھارا ...... پھر ایک جیبی سائز آل انڈیا تنظیم کے قیام پر برانگیختہ کر دیا ...... یوں بانی ہونے کا شرف ملا ...... صدر سکریٹری کا باوقار عہدہ بھی ہاتھ آیا ...... کام اگرچہ بے وقار ہو ...... یا نہ ہو ...... کام کے لیے تنظیم قائم بھی تو نہیں کی گئی ...... حصولِ منصب مقصود تھا ...... وہ حاصل ہو گیا ......

یہ صدارت و سکریٹری شپ کا منصب بھی ایک عجب بلا ہے ...... دنیا کی کوئی ایسی ترشی نہیں ...... جو اِس نشے کو اُتار سکے ...... اس کا مظاہرہ ابھی حالیہ دنوں ہی دیکھنے میں آیا ...... جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت و سکریٹری شپ کے لیے چچا و بھتیجے کے درمیان کیا کچھ نہیں ہوا ...... جمعیۃ کے مولانا ارشد مدنی و مولانا محمود مدنی کی ہیرا پھیری ...... پینترا بازی ...... اور بیان بازی سے اخباری نمائندے اور قارئین دونوں ہی اوب گئے ...... جی ہاں! یہ عہدہ ہی کچھ ایسا حُسنِ بلا خیز ہے ...... کہ ہر انسان کسی قیمت پر بھی اسے حاصل کرنا چاہتا ہے ...... وہ کسی پل نہیں بیٹھتا ...... جب تک اس حُسنِ بلا خیز سے چپک نہ جائے ...... عہدہ ہے ...... مال ہے ...... آسائش ہے ...... عوامی آؤ بھگت ہے ...... سرکاری پوچھ گچھ ہے ...... کام ہو، چاہے نہ ہو ...... ملی بھگت ہے ...... جیب بھرت ہے ...... ایسی جیب

بھرو تنظیم، پیٹ بھرو تحریک سے قوم کو کتنا نقصان پہنچا ہے ...... قوم اِس سے بے خبر نہیں ہے ...... ہاں کچھ تنظیمیں ایسی ضرور ہیں ...... جو مقامی و محلّاتی سطح پر یا شہری سطح پر کچھ نہ کچھ ضرور کرتی ہیں ...... مگر ان تنظیموں کو 'آل انڈیا' لکھنے کا نہ جواز ہے ...... نہ ضرورت ہے ...... جب اُن کی خدمات آل انڈیا سطح پر ہونے لگیں گی ...... تو وہ تنظیم خود ہی آل انڈیا متعارف ہو جائے گی ...... کسی کے کہنے بتانے کی قطعاً ضرورت نہیں ...... لہٰذا ارکانِ تنظیم کو چاہیے ...... کہ وہ پہلے اپنی تنظیم کی کارگزاریوں کو کل ہند سطح پر لے جائیں ...... پھر لوگ خود ہی اُسے آل انڈیا سطح کی تنظیم مان لیں گے ...... اراکین منوانے کی کوشش میں دُبلے نہ ہوا کریں ...... بھوک لگتی ہے ...... تو انسان خود ہی کھاتا ہے ...... تلاش کر کے کھاتا ہے ...... حلال نہیں ملتا ...... تو حرام کھانے تک بھی نہیں چوکتا ...... اور جب آسودہ شکم ہو ...... تو آپ ٹھونس کر بھی کھلائیں ...... تو کھا نہیں سکتا ...... یہی حال تنظیموں کا ہے ...... سربراہوں، صدروں، سکریٹریوں کا ہے ...... کارنامہ اگر اس قابل ہوگا ...... تو لوگ ازخود قبول کر لیں گے ...... اور اگر کام کسی کونے کھدرے میں بھی نہیں ...... آپ زبردستی ٹھونس کر بھی بانی، صدر، سکریٹری کہلوائیں گے ...... تو لوگ ایک بار نہیں ...... دس بار تھوک دیں گے ...... کسی بھی قوم یا جماعت میں تنظیم کی ضرورت اپنی جگہ مسلّم ہے ...... اس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ...... مگر تنظیم کو اس کے دائرے تک محدود رکھیں ...... تنظیم کو تجارت نہ بنائیں ...... تجارت کرنی ہے ...... تو تجارتی میدان کی کمی نہیں ...... بازاروں کے بازار کھلے ہیں ...... تنظیم تو تنظیم ہے ...... یہاں صرف قومی و جماعتی کام ہی کیا جائے گا ...... قدم جوں ہی اس ڈگر سے ہٹے گا ...... تنظیم بے روح ہو کر رہ جائے گی ...... یہ جتنی آل انڈیا تنظیمیں ہیں ...... تقریباً سب بے روح ہیں ...... بے مقصد ہیں ...... مثل مشہور ہے ...... جو گرجتا ہے ...... برستا نہیں ہے ...... آل انڈیا کی رٹ لگانے والے بس گرجتے ہیں ...... برستے نہیں ...... معاشرے کو برسات کی ضرورت ہے ...... گرج اور کڑک کی

نہیں......جو لوگ قوم کا درد رکھتے ہیں......وہ زیرِ زمین کام کرتے ہیں......اُن کا کام ہی اُن کا تعارف ہوتا ہے......کام ہی بولتا ہے......کام کرنے والے نہیں بولتے......اور جو لوگ خوب بولتے ہیں......وہ کام نہیں کرتے......وہ صرف بول کر ہی بمبئی کی زبان میں 'بول بچن' سے ہی اپنا کام چلا لیتے ہیں......خود چلتے بنتے ہیں......معاشرے کو چلتا کر دیتے ہیں......یہ نہایت چالاک و ہوشیار لوگ ہیں......جو کھوٹے سکّے خوب چلاتے ہیں......کھرے سکّے چلنے سے روکتے ہیں......یوں اپنی جیب اور ہاتھ گرم کرتے ہیں اور قوم کو گرمیوں میں جلتے جھلستے چھوڑ دیتے ہیں......ایسی حرکت کے لوگوں سے قوم کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے......مگر کب تک؟ ہوشیار لوگ سیانے ہوتے ہیں......کہ قوم کی ساری ہوشیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے......ایسے سیانے، بہروپیے سے جب وقت کے حکمراں مجدّد حضرت اورنگ زیب بچ نہیں سکے......تو اس بھولی قوم کی کیا بساط ہے......لیکن ایک ہی سوراخ سے مومن دوبار ڈسا نہیں جاتا......قوم کو اب آنکھیں مل کر بیدار ہو جانا چاہیے......ورنہ یہ کب تک ڈسی جاتی رہے گی......کچھ لوگ دعوت و تبلیغ کے نام پر تجارت کرتے ہیں......نام دعوت کا، تبلیغ کا، کام تجارت کا......یہاں بھی بھولے لوگ دھوکا کھاتے ہیں......ہوشیار لوگ تجارت کرتے پھرتے ہیں......بھولے لوگ چولہا پھونکتے، پیاز چھیلتے رہ جاتے ہیں......بڑے بڑے مال پرست، مال دار مال لگاتے ہیں......ہوشیار لوگ تبلیغ کے نام پر نکلتے ہیں......شہر شہر گھومتے ہیں......ایریا بدل بدل کر جاتے ہیں......کہاں کون سا مال، سامان سستا ہے، کہاں سے کہاں بھیجا جا سکتا ہے......نقل، حمل، ایکسپورٹ، اِم پورٹ کی ساری صورتیں معلوم کر لیتے ہیں......پھر ہاتھ میلا، نہ پاؤں گندا، نام لیا تبلیغ کا......خوب چلایا دھندا......آدھا مال والوں کا......آدھا ہوشیار لوگوں کا......یہ کمیشن کا بٹوارہ دلالی کے لباس میں نہیں......جبّہ و پگڑی کے پردے میں ہوتا ہے......کہیے یہ کیسی تبلیغ ہے......کیسی دعوت ہے......بھولے لوگ ہر جگہ

مار کھاتے ہیں......ہوشیار لوگ ہر جگہ سے مار کر آتے ہیں......پانچ ہاتھ کا جبہ، دس ہاتھ کی پگڑی، زبان پر اونٹ کی چربی سے زیادہ چکنی چکنی بولی، ہاتھوں میں لمبی لمبی تسبیح، صورت بھولی، حلیہ تقدس مآب......جب ایسے لوگوں کا ہے یہ گورکھ دھندا......تو بتایئے، قوم کہاں جائے......

قوم بھی کم ہوشیار نہیں......مگر تمام ہوشیاری کے باوجود ہوشیار لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے......اوکھلی میں سر کیا دِیا، موسل کی مار دنا دن پڑنے لگی......پھر بھی ہوشیار نہیں ہوتی......بیدار نہیں ہوتی......مار کھانے میں ہی مزہ آتا ہے......یہ ساری کہانی وہاں ہوتی ہے......جہاں آل انڈیا تنظیم کا بورڈ لگا ہوتا ہے......آل انڈیا تحریک کا پرچم لہراتا ہے......یہ آل انڈیا تحریک ہے......یا آل انڈیا تباہی ہے......یہ آل انڈیا تنظیم ہے......یا آل انڈیا تمویل ہے......ان تمام تباہیوں کی جڑ مال کی محبت ہے......یہ جڑ جس دن کٹ جائے گی......تنظیم و تحریک کا شجر ہرا ہو جائے گا۔

☆ ☆ ☆

مفت خوانی کی کہانی

پروفیسر مختارالدین احمد (علی گڑھ) کیمبرج، امریکہ گئے......تو دورانِ سفر ایک بات نوٹ کی اور لکھا: انگریز اخبار پڑھنے کا بڑا پابند ہے......ٹرین میں تو خیر ہمارے ہاں بھی لوگ پڑھ لیتے ہیں......یہ دوسری بات ہے کہ خریدتا ایک ہے......پڑھتے سارے مسافر ہیں......یہاں (کیمبرج) یہ بات سخت معیوب ہے......کوئی شخص اخبار یا رسالہ مانگ کر نہیں پڑھتا......خود خریدتا ہے اور پڑھتا ہے......نہیں خریدتا ہے......تو خوب صورت مناظر دیکھتا ہے......یا عشق کرتا ہے......یہ بھی نہیں، تو اونگھتا ہے یا جھک مارتا ہے......لیکن کبھی مانگ کر نہیں پڑھتا......

اسی سے ملتی جلتی بات غالباً بشریٰ رحمٰن نے بھی لکھی ہے...... جب اُنھوں نے چائنا کا سفر کیا...... انگلستان سے ایک شخص ہندوستان آیا...... واپس گیا...... تو دوستوں نے پوچھا...... ہندوستان میں کِیا کِیا دیکھا...... اُس نے بتایا...... ایک تو یہ کہ کسی ایک سے کوئی بات پوچھو...... تو کئی لوگ کئی کئی مشورے دیں گے...... یعنی مفت مشورے دینے والے ہندوستان میں بہت ملیں گے...... دوسری چیز یہ کہ کم پیسے میں ڈھیر ساری چیزیں خرید لو...... تیسری بات یہ کہ ہندوستان میں اخبار یا کتاب کم لوگ خریدتے ہیں...... زیادہ لوگ پڑھتے ہیں...... ایک پلیٹ فارم پر دیکھا...... بینچ پر بیٹھ کر ایک آدمی اخبار پڑھ رہا تھا...... دائیں بائیں جو اُس کے ساتھ بیٹھے تھے...... گردن موڑ کر پڑھ رہے تھے...... کچھ لوگ آگے کھڑے ہو کر...... تانک جھانک کر پڑھ رہے تھے...... بہت سے لوگ بینچ کے پیچھے سے گردنیں اُٹھا اُٹھا کر...... جھکا جھکا کر پڑھ لیے...... محسوس ہوتا تھا...... اخبار نہیں...... مدھ کا چھتّا ہو...... مکھیاں تلے اوپر بھنبھنا رہی ہوں...... انگریز کے لیے یہ ساری باتیں اچنبھے کی تھیں...... اس مفت خوانی کا چھوٹا سا...... مگر تلخ تجربہ مجھے بھی ہے...... میری جب کوئی کتاب چھپتی ہے...... مطالبہ کرنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے...... کچھ تو فون کرتے ہیں...... کچھ خطوط لکھتے ہیں...... کچھ روبرو کہتے ہیں......' آپ نے بھی کتاب نہیں دی' آپ کی کتاب مَیں نے اب تک نہیں دیکھی...... آپ کی کتاب نظر سے نہیں گذری...... مکتبہ پر دیکھا تھا...... بڑا اشتیاق ہے...... جلد بھجوا دیں...... اسپیڈ پوسٹ کروا دیں...... کوریئر کروا دیں...... آپ مجھے بھول گئے...... کتاب سے نہیں نوازا...... کرم ہوگا...... فوراً ارسال کر دیں...... فلاں کے پاس آپ کی کتاب دیکھی...... ایک نسخہ مجھے بھی عنایت کریں...... غرض کہ ہر چہار جانب سے فون پر فون، خط پر خط آنا شروع ہوا...... چھینا، جھپٹی، گِلے، شکوے، طعنے، دھمکیاں، کوئی کہتا ہے بڑا محقق بنتا ہے تُو...... کوئی کہتا ہے بڑا مصنف کہلاتا ہے تُو...... کوئی یوں کہتا ہے...... بہت ہو گیا، ڈاکٹری

مت جھاڑ، کتاب لا، کتاب دے ورنہ......

یہ محبتوں کے انداز ہیں...... محبتوں کی بولیاں ہیں...... محسوس ہونے لگتا ہے...... میری کتاب کی بڑی مانگ ہے...... ڈیمانڈ ہے...... فرمائش ہے...... مطالبہ ہے محنت ٹھکانے لگی...... خوشی ہوتی ہے...... اتنے فون آئے...... خط آئے، کچھ آ کر لے گئے...... کم از کم لے تو گئے...... نہیں لے جاتے...... تو دیمک کی نظر ہوتی...... لے گئے، شکریہ، پڑھیں یا نہ پڑھیں، الگ بات ہے...... غالبؔ نے کہا تھا...... مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے...... مگر میری ساری خوشی اُس وقت فِرو ہو جاتی ہے...... کتاب پر بخدمت فلاں، بخدمت فلاں لکھتا ہوں...... پیکٹ، بنڈل باندھتا ہوں...... جب ڈاک گھر جاتا ہوں...... ڈاک خرچ سُن کر جیب ٹٹولتا ہوں...... تو مایوسی گھیر لیتی ہے...... سادہ ڈاک سے کتاب ضائع ہو جاتی ہے...... رجسٹری، اسپیڈ پوسٹ، کوریئر کرنے کی صلاحیت نہیں...... بڑا اُداس ہوتا ہوں...... دن رات لگ کر کام کیا...... اب کام بگڑ گیا...... جیب گرم ہو، تو کام بنے...... پوسٹ ماسٹر سے یہ اچھا کل دیکھیں گے، کہہ کر منہ لٹکائے بوجھل قدموں سے واپس آ جاتا ہوں...... ایسے کئی پیکٹ، کئی بنڈل آج بھی رکھے ہوئے ہیں...... خدا نے وسعت، قوت، توفیق دی، تو کبھی نہ کبھی ضرور بھیجوں گا...... یہ وعدہ فی الفور نہیں...... استطاعت کی شرط سے مشروط ہے......

قریب دو عشرے کا تجربہ ہے...... کبھی کسی نے یہ نہیں فرمایا...... آپ نے بڑی محنت کی ہے...... یہ آپ کا نذرانہ ہے...... یا یہ قیمت کتاب ہے...... یا یہ ڈاک خرچ ہے...... ایک کتاب بھیج دیں...... ایک مفتی صاحب کو مَیں نے قریب چھ سو روپے کی کتاب دی...... دیتے ہوئے کہا! یہ کتابیں آپ کی نذر ہیں...... ذرا بے تکلفی تھی...... کہہ دیا...... مَیں نے آپ کو نذر دی...... مجھے آپ نذرانہ دیں...... تیوری چڑھ گئی...... نتھنے پھول گئے...... پھیکی مسکراہٹ منہ پر پھیلائے...... منہ پسوڑ کر کہنے لگے...... جی ہاں! آپ کا

مطالبہ بے جانہیں......آپ نے بہت کام کیا...... مسلسل کر بھی رہے ہیں ...... یہ خدا کا فضل ہے......آپ نے اپنے ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے...... بلکہ آپ نے وہ کام کیا ہے...... جو بڑے بوڑھے بھی نہیں کر سکے......آپ تو ماہرِ رضویات ہیں......محققِ عصر ہیں......نئی تحقیقات پیش کرتے ہیں ...... نیا اسلوب اپناتے ہیں......نئی سطر......مَیں نے بات کاٹتے ہوئے کہا......حضرت لفظوں سے پیٹ نہیں بھرتا...... داد سے دَرد دُور نہیں ہوتا...... دہش بھی چاہیے......مفتی صاحب آپ یوپی سے چل کر ممبئی آئے ہیں ......بغیر نذرانے کے تقریر تو نہیں کرتے ......اگر آپ صرف داد پر تقریر کریں ......تو مَیں آپ کو دس روزہ پروگرام کی دعوت دیتا ہوں ...... کہنے لگے...... بابو پیٹ بھی تو ہے ...... بال بچّے بھی ہیں ......مہنگائی کا حال معلوم ہے......مَیں نے کہا! اچھا تو آپ بنا نذرانہ کے تقریر نہیں کر سکتے ......مَیں بنا نذرانہ کے تحریر کیسے کروں؟ ...... بادلِ نخواستہ جیب میں ہاتھ ڈالا ......سو روپے نکالا...... فاتحانہ انداز میں فرمایا! یہ آپ کی نذر ہے ......مَیں نے کہا! رکھیے...... مذاق کیا تھا...... کہنے لگے! نہیں، نہیں ...... یہ آپ کا حق ہے......مَیں نے کہا! حضرت !مَیں منہ پھٹ آدمی ہوں ......آپ ہر رات پانچ ہزار وصول کریں ...... مجھے آپ سو روپے دیں ...... یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اگر آپ سو روپے رات تقریر کریں ......تو آپ کو تیس دن کی دعوت دیتا ہوں ...... کہنے لگے! بابو یہ رکھ لو، آئندہ دیکھوں گا ...... یہ کہتے ہوئے جیب میں سو روپے گھسیڑ دیا......مَیں نے بھی یہ سوچ کر رکھ لیا کہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹ ہی سہی......

ہمارے یہاں عجب حال ہے...... جو محنت کرتا ہے......اُسے داد ملتی ہے...... داد کے ساتھ دہش اور آمد و رفت اے سی یا پلین کا کرایہ اُس کو ملتا ہے...... جو بالکل محنت نہیں کرتا......مولانا عبد المجتبیٰ رضوی جنھوں نے 'تذکرہ مشائخ قادریہ' لکھی ...... برسوں محنت کی......مطالعہ کیا...... پڑھائی کی......نہایت تلاش وجستجو کی ...... مسلسل لکھنے پڑھنے

کی وجہ سے صحت گر گئی...... بینائی خراب ہو گئی......مگر وہ تھک ہار کر نہیں بیٹھے......کتاب تیار کر ڈالی ...... یہ اُن کا کام تھا...... کر لیا......اب جو چھپنے کی باری آئی ...... پورے بنارس میں چکّر لگایا......گلیوں کی خاک چھانی......سالوں کے بعد کتاب جیسے تیسے چھپ گئی......اب اُن کے پاس کتاب مانگنے والوں کی قطار لگ گئی...... یہ بھی مانگنے والوں کی مہربانی ہے......وہ مانگتے نہیں......تو مولانا رضوی کیا کرتے......کتابیں لے کر آنکھوں کا سرمہ تو نہیں بناتے ......مولانا عبد المجتبیٰ رضوی کام کے آدمی تھے ...... دل میں جماعت کا درد پالتے تھے ...... بد مذہبوں سے اُن کا چھتیس کا آنکڑا رہتا تھا......اسی پاداش میں دشمنوں نے انہیں بنارس سے اُٹھایا...... بلیا کے رسڑا مقام پر لے جا کر شہید کر دیا...... جماعت والوں کے کانوں میں جوئیں تک نہیں رینگی ...... بیوی بیوہ ہو گئی...... چھوٹے بچّے یتیم ہو گئے......کوئی پرسانِ حال نہیں...... یہ ہے ہماری جماعت میں نوجوان مصنف و محقق کا حال......خدا مولانا رضوی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے......

قلندر مزاج، درویش صفت علامہ اقبال احمد فاروقی لاہور میں بیٹھے ہیں...... چراغ جلا کر پڑھائی کی......موم جلا کر مطالعہ کیا......اردو، فارسی، عربی علوم وادبیات میں کمال پیدا کیا......لکھنے پڑھنے سے شغف ہو گیا......بچپن گزرا...... جوانی گئی......اب بڑھاپا ہے......ستّر کی لپیٹ میں ہیں......بچوں میں رہے...... جوانوں میں رہے...... جہاں کہیں رہے ......نعت خوانی کرتے رہے ......تقریریں کرتے رہے...... اشعار سُناتے رہے......غلامی کا دور دیکھا......جنگِ آزادی کے مدّ و جزر دیکھے......آزادی دیکھی ......ایک ملک کو دولخت ہوتے دیکھا......نومولود خدا داد کا تماشہ دیکھا......اب تک اپنے ملک کی نیرنگیاں دیکھ رہے ہیں......آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں...... بڑا علم ہے......گہرا مطالعہ ہے......تلخ تجربات رکھتے ہیں......یادداشت نہایت قوی ہے...... فاروقی صاحب جہاں کہیں رہے......اپنے آپ کو قرطاس وقلم سے جوڑے

رکھا ہے...... مدّتوں سے وہ ملّت کی رہنمائی فرما رہے ہیں...... سیاست کم، مذہب زیادہ میدان ہے اُن کا...... تحریر واشاعت کی راہ سے جو وہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں...... بجائے خود وہ ایک تاریخ ہے...... ریکارڈ ہے...... قلم جو بچپن میں اُن کے ہاتھ آیا...... اب تک نہیں چھوڑا...... اب وہ چھوڑ بھی نہیں سکتے...... نہ قلم اُن کو چھوڑ سکتا ہے...... قلم ہاتھ میں رہتا ہے...... کاغذ سامنے ہوتا ہے...... لکھتے ہیں...... کتابت کرواتے ہیں...... پروف پڑھتے ہیں...... چھپواتے ہیں...... پیکٹ بناتے ہیں...... پوسٹ کرتے ہیں...... یہ سارا کام وہ بذاتِ خود کرتے ہیں...... یہ نہ کریں...... تو اُن کو چین نہ ملے...... نیند نہ آئے...... سکون نہ ملے...... یہ اُن کی مجبوری ہے...... روحانی غذا ہے...... وہ چاہیں بھی، تو یہ کام چھوڑ نہیں سکتے...... ملک و بیرون ملک اُن کے چاہنے والے ہیں...... داد دینے والے ہیں...... دہش اور نذرانہ، نہ کوئی دیتا ہے، نہ وہ لیتے ہیں...... کوئی دے، تو پتہ چلے، کہ وہ لیتے ہیں کہ نہیں...... اگر کوئی دیا ہوتا...... تو اُن کا گھر قدامت کا نمونہ نہیں ہوتا...... جدیدیت کا آئینہ دار ہوتا...... آسائش کی وہ تمام چیزیں ہوتیں...... جن سے آج چھوٹے بڑے پیر...... چھوٹے چھوٹے مقرر کے گھر آراستہ ہیں...... گدڑیوں پر بیٹھ کر وہ خوش ہیں، بوریوں پہ سو کر وہ مطمئن ہیں......

یہی حال غلام جابر شمس مصباحی کا ہے...... پیر بنتا، ٹھاٹ کی زندگی گزرتی مقرر ہوتا...... جنت کا مزہ یہیں لوٹ لیتے...... کم از کم امام ہی ہوتا...... تو تب بھی پہلے نہیں، تو تیسرے درجہ میں ہوتا...... یہ تدریس وتحریر کا کیا سودا سمایا...... کنگال ہو کر رہ گیا...... کولہو کا بیل، دن بھر گھوما...... رات بھر چکّر کاٹا...... کھانے کو وہی سوکھی بھوسی، خشک چارہ...... مگر اِس میں جو لذّت ہے...... وہ قورمہ پلاؤ میں نہیں...... چٹائی میں جو چین ہے...... وہ مسہری اور صوفے میں نہیں...... فاقوں میں جو ذائقہ ہے...... وہ شکم سیری میں

نہیں...... وہ جو میرے آقا نے فرمایا! دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے...... قید خانے میں جو کچھ مل جائے...... غنیمت ہے...... خدا کا کروڑوں احسان ہے...... جو کچھ ہے...... پسینے کی کمائی ہے...... تحریر وقلم کی دوستی آسان نہیں...... اس سے عشق کرنا جگر باز کا کام ہے...... خدا اسی میں ثابت قدم رکھے...... کتابوں کی تقسیم کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے...... جو حضرات لکھتے پڑھتے ہیں...... وہ ضرور مانگیں...... مطالبہ کریں...... اُن کو ضرور پہنچائی جائیں...... وہ قابلِ قدر ہیں...... اِس دورِ شورا شور میں وہ تحریر وقلم سے وابستہ ہیں...... لکھتے پڑھتے ہیں...... ملّت کی خیر خواہی کرتے ہیں...... رہنمائی کرتے ہیں...... اسلامیات پر کام کرتے ہیں...... رضویات پر کام کرتے ہیں...... جہاد کرتے ہیں...... انہیں ہتھیار فراہم کرنا چاہیے...... اسلحہ مہیا کرنا چاہیے...... وہ وقت دیتے ہیں...... بڑی بات ہے...... لکھتے پڑھتے وقت ضرورت پڑتی ہے...... کتابوں کی، رسائل کی، نوادرات کی، مخطوطات کی...... علمائے حق، علمائے سو دونوں طرح کی کتابیں درکار ہوتی ہیں...... تا کہ دلائل براہ راست دی جائیں...... مخالف کو راہِ فرار نہ مل سکے...... لکھنے والا کہاں کہاں جائے...... کہاں کہاں بھاگے...... کیا کیا ڈھونڈھے...... کیا کیا خریدے...... کہاں تک خریدے...... اس لیے لکھنے والوں کو کتابیں، مواد مفت دیا جائے...... ہدیۃً پیش کیا جائے اور ضرور کیا جائے...... اُن کو ہرگز نہ دیا جائے...... جو...... ایک تو لکھتے پڑھتے نہیں یا چوم چاٹ کر رکھ دیتے ہیں...... اپنے کمرے کی زینت بناتے ہیں...... نمائش کرتے ہیں......

یہاں ایک انتہائی اہم نکتہ قابلِ ذکر ہے...... اکثر ایسا ہوتا ہے...... ہم لکھتے ہیں...... چھاپتے ہیں...... اپنے علما احباب کو دیتے ہیں...... آپ لکھتے ہیں...... ہم پڑھتے ہیں...... ہم لکھتے ہیں...... آپ پڑھتے ہیں...... ہمارا لٹریچر ہمارے ہی اردگرد گردش کرتا ہے...... باہم دِگر دَاد دی جاتی ہے...... واہ واہی ہوتی ہے...... یہ ٹھیک ہے

......لیکن اہم ضرورت یہ ہے ...... ہمارا لٹریچر اسکولوں میں پہنچے، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، لائبریریوں میں پہنچے...... دانشوروں، محققوں، اسکالروں تک پہنچے ......دیکھیے سبزی منڈی میں سبزی ہی ملے گی ......سونا نہیں ملے گا......سونا لینا ہے...... جوہری بازار جانا پڑے گا......اگر ہم چاہتے ہیں...... ہماری آواز ہر حلقے تک پہنچے......تو ہر حلقے تک اپنا لٹریچر پہنچانا ہوگا......اس کی بہترین صورت وہی ہے...... جو لائبریریوں ......دانش کدوں تک اپنی کتابیں پہنچادی جائیں......اہلِ قلم وہاں آتے ہیں......اہلِ نظر وہاں اُترتے ہیں...... دانشور، اسکالر وہاں پہنچتے ہیں...... وہاں سارا مواد غیروں کا ہے......اپنے مواد کا پتہ ہی نہیں......پھر لکھنے والا اُسی مواد کی روشنی میں اپنا کام کرتا ہے ......آئینہ جو انہوں نے وہاں دیکھا......وہی تو اَوروں کو دکھائے گا......جب ہمارا آئینہ وہاں ہے ہی نہیں ......تو وہ کیا دیکھے گا...... کیا دکھائے گا......اس لیے لکھنے والے...... چھاپنے والے......اور دین کا درد رکھنے والے ضرور ضرور اس طرف توجہ دیں...... یہ نکتہ خاص خیال کا مستحق ہے......مَیں نے اپنی تحقیق کے دوران اہلِ علم کے ذاتی ذخیرۂ کتب دیکھے ...... دانش وروں کے ذخیرے دیکھے......عصری دانش گاہوں کی لائبریریاں دیکھیں......عوامی وسرکاری کتب خانے دیکھے...... مجھے حیرت ہوئی......وہاں سوادِ اعظم کی کتابیں موجود نہیں ...... خدا بخش لائبریری، پٹنہ، رضا لائبریری، رامپور، آزاد لائبریری علی گڑھ جیسی مشہور بین الاقوامی لائبریریوں میں ہمارا لٹریچر دستیاب نہیں...... دو چار بھولے بھٹکے پہنچ گئے ہوں......تو پہنچ گئے......مَیں ماضیِ قریب کی بات کر رہا ہوں ......البتہ ماضیِ بعید کی کچھ مطبوعات ضرور ہیں......دیگر یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں تو نہ جدید مطبوعات ہیں......نہ قدیم مطبوعات ہیں...... یہ دیکھا تو مجھے حد درجہ حیرت ہوئی، قلق ہوا......اہم کتب خانوں میں ہماری کتابیں فراہم نہیں...... کتاب منڈیوں میں ہماری کتابیں دستیاب نہیں......جبکہ ملکی و عالمی محققین و مصنفین انہیں کتاب خانوں

اور کتاب منڈیوں میں آتے ہیں، اُترتے ہیں......

جدید دانش وروں، روشن خیالوں، محققوں، کالج یونیورسٹیوں کے پروفیسروں اور طالب علموں میں ایسا نہیں کہ سب یک طرفہ دیکھنے والے ہیں، نہ سننے والے ہیں، نہ لکھنے والے ہیں......وہاں بھی تحقیقِ حق کی پیاس پائی جاتی ہے......عدالت وثقاہت کے حامل افراد موجود ہیں...... جو حق کو حق اور ناحق کو باطل کہنے کا جذبہ رکھتے ہیں...... اُن کی مشکل یہ ہے......اُن کے سامنے یک طرفہ مواد ہے...... یک طرفہ کتابیں ہیں، یک طرفہ باتیں اور بحثیں ہیں......اگر اُن جگہوں میں سوادِ اعظم کا بھرپور لٹریچر مہیا ہو......تو کوئی وجہ نہیں......بہتر نتیجہ سامنے نہ آئے...... یہ میرا ذاتی تجربہ ہے......حقائق، دلائل، صفائی، دردمندی سے پیش کر دیں......تو انکار کی قطعی کوئی گنجائش نہیں رہتی......اس لیے میری گذارش ہے...... لکھنے والے، چھاپنے والے، اپنی تحقیقات، اپنی مطبوعات اُن لائبریریوں اور جدید حلقوں تک ضرور بھجوائیں......ضرور بھجوائیں......

☆☆☆

ذرا سوچیے............کچھ تو کیجیے

ہر ایک نہیں......ایک قوم میں......تنہا نہیں......ایک جماعت ہیں......فرد نہیں ......ایک ملّت ہیں...... جو ایک ہو، تنہا ہو، فرد ہو......اُس کا کوئی مسئلہ نہیں...... جہاں قوم ہو......وہاں مسائل ہی مسائل ہیں......اُن مسائل کی نوعیت بھی یکساں نہیں...... الگ الگ ہیں......مثلاً قومی ملّی مسائل ہیں......ملکی و بین الاقوامی مسائل ہیں...... سیاسی وسماجی مسائل ہیں......دینی و مذہبی مسائل ہیں......معاشی واقتصادی مسائل ہیں ......تعلیمی وتہذیبی مسائل ہیں......تحریری وصحافتی مسائل ہیں......تحریکی و تنظیمی مسائل ہیں......رفاہی وفلاحی مسائل ہیں......انسدادِ فساد اور ریلیف و بازآبادکاری کے مسائل

ہیں ......یتیم و نادار اور بیواؤں کے مسائل ہیں...... معاش اور روزگار کے مسائل ہیں ...... قحط، بھوک مری، ناخواندگی کے مسائل ہیں...... مساجد، مدارس، درس گاہوں، خانقاہوں اور وقف کی جائیداد کے مسائل ہیں......حفظانِ صحت اور میڈیکل کے مسائل ہیں......بچوں، عورتوں، جوانوں کے مسائل ہیں...... باہم اختلافات اور اُن کا تصفیہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے......ملّت کو متحد ہونا بھی مسئلہ ہے......لسانی و جغرافیائی مسائل ہیں ...... درس گاہی و خانقاہی مسائل ہیں...... جدید و قدیم کا مسئلہ ہے...... داد گیری اور دہشت گردی کا مسئلہ ہے......وغیرہ وغیرہ

جی ہاں! یہ ملّت ہے......بھیڑ بکری کا ریوڑ نہیں...... جو ایک چرواہا...... جب جہاں چاہے ہانکتا رہے...... جی! یہ ملّتِ حیوانیہ نہیں...... انسانیہ ہے...... انسان کے ڈھیر سارے مسائل ہیں...... گونا گوں ضرورتیں ہیں...... اُن مسائل کا حل بھوندو لوگ......توندوں لوگ......سفیہ لوگ......بھولے اور سادے لوگ نہیں ڈھونڈیں گے ......وہ العوام کالانعام ہیں...... یہ ذمّے داری ملّت کے اہلِ علم کی ہے......اہلِ نظر کی ہے...... اربابِ بصیرت کی ہے...... صاحبانِ فکر کی ہے......حسّاس دردمندانِ اہلِ دماغ کی ہے......قائدین و مصلحین کی ہے......اُن کی ہے......جن کو خدا نے علم دیا ہے ......سوجھ بوجھ دی ہے......دل، دماغ اور وسائل دیئے ہیں......خدا نے اُن حضرات کو یہ رتبے، یہ مرتبے، یہ صلاحیتیں، یہ توفیق، یہ نعمتیں، یہ وسائل اس لیے دیئے ہیں...... کہ خدا کے بندوں کی رہنمائی کریں...... قیادت کریں......مسائل سلجھائیں......ضرورتیں پوری کریں...... ہر حال میں اُن پر نظر رکھیں......اُن کے درمیان رہیں......اُن کو ساتھ لے کر چلیں......اُن سے تعاون کریں......حُسنِ سلوک کریں...... ہمدردی سے پیش آئیں...... بہر صورت اُن کی دیکھ بھال کریں......بہتر رہیں......بہتر رکھیں......بہتر سوچیں......بہتر کریں......کیوں کہ ملّت کے کشتی کے ملاح ہیں......مسئول ہیں......

ذمّے دار ہیں...... ٹھیکے دار ہیں......نجات دہندہ بھی ہیں...... جواب دہندہ بھی ہیں......

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ......رعایا تو نہیں......عوام مسلمین کی خبر گیری کے لیے...... رات کی تاریکی میں نکلے...... چلتے چلاتے دور سنسان تاریک علاقے میں آگ نظر آئی...... جو ایک کٹیا میں جل رہی تھی......حضرت عمر وہاں تک پہنچے...... دیکھا، جھونپڑی ہے...... چولہا جل رہا ہے...... ہانڈی میں پانی کھول رہا ہے ......بچّے سو رہے ہیں...... بڑھیا جاگ رہی ہے...... پوچھا......کیا کر رہی ہو......بھوکی پیاسی نڈھال بدحال بوڑھی نے جواب دیا...... کچھ نہیں......گھر میں غلّہ نہیں تھا......بچّے بھوک سے تڑپ رہے تھے...... چولھا جلا کر پانی اُبال رہی تھی......تاکہ بچوں کو تسلی ہو جائے...... ہاں، کچھ پک رہا ہے......اتنے میں وہ سو گئے......اپنا دُکھڑا کیا سُناؤں...... بُرا ہو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم کا...... کہ وہ ہم نادار غریبوں کی خبر نہیں لیتے ...... یہ سنتے ہی حضرت عمر کانپ گئے ہوں گے......اُسی سنسان اندھیری رات میں وہ اُلٹے پاؤں بیت المال میں تشریف لائے......اناج اور غلّہ اور غذائی اجناس سے ایک بوری بھری......سر پہ اُٹھائی......تن تنہا لے کر اُس بوڑھی کی خدمت میں پہنچے......فرمایا: یہ لو......اپنے بچوں کو کھلاؤ......اپنا خرچہ چلاؤ...... بڑھیا خوش ہوگئی...... دعائیں دیں ......جب حضرت عمر واپس ہونے لگے......تو بڑھیا نے پوچھا...... بیٹا، یہ تو بتا......تُو کون ہے......حضرت عمر نے فرمایا: مَیں وہی عمر فاروق ہوں...... جو امیر المؤمنین ہو کر نادار غریبوں کی خبر نہیں لیتا...... یہ سُن کر وہ بوڑھی ضرور معافی و معذرت چاہی ہوگی......

خود رحمت بردوش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم...... مسجد نبوی سے اپنے کاشانہ تک اُس وقت تک......تشریف نہیں لے جاتے...... جب تک مسجد میں موجود تمام اصحاب، احباب، افراد کی مزاج پُرسی، خیریت پُرسی نہیں کر لیتے......دور دراز سے آئے اور صفّہ پہ بیٹھے رہنے والوں کی خبر گیری نہیں کر لیتے...... ہر ایک سے مخاطب ہوتے......

حال معلوم کرتے ...... خیریت دریافت کرتے ......کھانے پینے اور بستر وغیرہ کا انتظام فرماتے ...... سب مطمئن ہوجاتے ...... خود اطمینان کرلیتے ......تب آپ اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے جاتے ......رسول اور اصحابِ رسول کے یہ عملی نمونے ہیں جس میں دورِ حاضر کے قائدین، مصلحین، مفکرین، مدبرین کے لیے......عبرت، بصیرت، درس اور سبق کا بھرپور سامان موجود ہے ...... اگر یہ اپنی ملّت کے مسائل، تقاضے، ضرورتیں......حل اور پوری نہیں کرتے ......تو پھر وہ اپنی قیادت کا دَم کیوں بھرتے ہیں ...... یہ ملّت ایک میت کی شکل میں تابوت تک پہنچ چکی ہے ......کیا وہ اِس بدترین صورتِ حال سے...... بے خبر ہیں......اگر وہ باخبر نہیں ...... بے خبر ہیں......تو عن قریب یہ ملّت اُن سے...... باز پرس کرے گی......آنے والی نسل تو کبھی معاف نہیں کرے گی ......اور پھر خدا کا مواخذہ تو ......سب سے زیادہ سنگین ہوگا ...... چونکہ وہ اِس ملّتِ مرحومہ کے ذمّے دار ہیں......

جو گائے دودھ نہیں دیتی......قصاب گھسیٹ کر مذبح خانہ لے جاتا ہے......جو درخت پھل پھول نہیں دیتا...... چولھے کا ایندھن بنتا ہے...... جو برتن کام میں نہیں آتا ...... یا تو بھنگار خانے میں ...... بیچ دیا جاتا ہے...... یا گٹر میں پھینک دیا جاتا ہے......جو نوکر کام چور ہوتا ہے...... ہٹا دیا جاتا ہے...... جو لڑکا وفادار، اطاعت شعار نہیں ہوتا...... عاق قرار دیا جاتا ہے......اب آپ بتائیے...... جو قائدِ ملّت کا کام نہ کرے......اُسے کیا کِیا جائے......وہ قائد ہے...... یا کائد......رہبر ہے یا رہزن......ہم درد ہے یا بے درد...... وفادار ہے یا بے وفا...... کامیاب ہے یا ناکام...... لائقِ احترام ہے یا قابلِ استرداد......سر آنکھوں پہ بٹھایا جائے یا اُتار دیا جائے......اہل ہے یا نااہل......قابلِ کار ہے یا قابلِ انکار......واجب العفو ہے یا واجب القتل ...... یہ فیصلہ قوم کرے...... جماعت کرے......ملّت کرے......تاخیر نہیں، بلا تاخیر کرے......تاخیر جتنی ہوگی......

تباہی اُتنی پھیلے گی......اس لیے جلد، بہت جلد کرے۔

خطیب خطاب کرتے ہیں......ادیب لکھتے ہیں...... باتونی لوگ باتیں کرتے ہیں......اس گئی گزری پوزیشن میں بھی ہم آج ستر فیصد ہیں......اسّی فی صد ہیں...... اِس کا کھلا مطلب تو یہی ہوا...... ہمارے پاس اسّی فی صد افراد ہیں......اسّی فی صد سرمایہ ہے......اسّی فی صد صلاحیت ہے......اسّی فی صد ذرائع و وسائل ہیں......اسّی فی صد مسائل ہیں...... جب اِس ملّت کے پاس ہر قوت اسّی فی صد ہے عددی قوت، مالی قوت، علمی قوت، قلمی قوت، لسانی قوت، سیاسی قوت، صحافی قوت، تعلیمی قوت، تمدنی قوت زندگی کے ہر شعبے میں اسّی فی صد قوّت اس ملّت کے پاس ہے......تو یہی بات ہے......غربت، جہالت، بے روزگاری، بھوک مری......اختلاف، بدعہدی...... بے وفائی......عداوت، نفرت، نفسانیت، محبت، مروت، شفقت غرض کہ ہر چیز اسّی ہی فی صد ہے......اب ذرا غور کریں......حیات کے ہر محاذ پر یہی ملّت پیچھے، پسپا، پامال کیوں ہے...... یہ نکتہ ایسا نہیں......کہ آپ آسانی سے جھٹک دیں......حس ہوگی......تو غور ضرور کیا جائے گا...... بے حسی کا تو ہم رونا ہی نہ روتے...... یہ رونا ہم نے سیکھا نہیں ...... رونے سے کیا کبھی کوئی مسئلہ حل ہوا ہے...... کہ رویا جائے......مسئلہ صرف حل کرنے سے ہی حل ہوتا ہے......دور ہوتا ہے......سو بس جُٹ کر کیا جائے......ڈٹ کر کیا جائے......پُر درد ہوکر کیا جائے......پُر سوز ہوکر کیا جائے...... بے لوث ہوکر کیا جائے ......نام و نمود کے لیے نہیں......خدا اور سول کی رضا جوئی کے لیے کیا جائے......

خیال رکھیے......آپ اسّی فی صد ہیں...... جب عددی اور نفری اعتبار سے اسّی فی صد ہیں......تو ظاہر ہے......مسائل اور ضرورتیں بھی اسّی فی صد ہیں......آپ ہندوستانی ہیں......حکومت ہندوستان کے پابند ہیں......قانونِ ہند کتنا آسان، واضح، سیدھا اور پیچیدہ ہے...... سب کو پتا ہے...... ہندوستان آزاد ہے...... آپ آزاد

ہیں......صحیح ہے......لیکن اس کثیر المذاہب، کثیر الاقوام، کثیر المسائل اتنے بڑے ملک
میں ملّی، مذہبی، عائلی مسائل کا پیدا ہونا......ایک عین فطری امر ہے......اب بتائیے......
حکومت تک......حکومت کے ایوانوں تک......حکومت کے قانونی اِداروں تک آپ
اپنی آواز کیسے پہنچائیں گے......آپ کے پاس کون سا ذریعہ ہے......کون سا پلیٹ فارم
ہے......کون سا نمائندہ ہے......کیا آپ اتنی بڑی ملّت کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے
......یہ تو ڈوب مرنے کا مقام ہے......آپ اسّی فی صد ہیں......مگر آپ کی نمائندگی کوئی
اور کرے......کیا اِس ملّت کے پاس سیاسی صلاحیت رکھنے والے افراد نہیں ہیں......اگر
نہیں، تو تیار کریں......جو قانونی لڑائی پوری قوت و بصیرت سے لڑ سکیں......

اوقاف کی جائیدادیں...... وقف بورڈ کے ماتحت ہیں...... یہ ادارہ امین
ہے...... مالک نہیں......اس کے اہل کا محافظ ہیں......صاحبِ تملیک نہیں...... یہ تمام
جائیدادیں سُنّی حنفی مسلمانوں کی وقف کردہ ہیں......وہی اِس کے اصل وارث ہیں......
ذرا دیکھیں، تو سہی...... یہ ادارہ کیا کرتا ہے...... اِس پر قابض کون ہے......وہ کیا کرتا
ہے...... یہ زمینیں، یہ جائیدادیں......آپ کی ہیں......آپ کے آبا و اجداد کی ہیں......
آپ کے اسلاف کی ہیں...... قبضہ کسی کا...... فائدہ کسی کا......آپ بے دخل ہیں......
بے دست و پا ہیں......کیا یہ شرم کی بات نہیں...... اُٹھیے...... ذرا ہمت سے اُٹھیے......
جھانکیے......دیکھیے......اپنے وجود کی موجودگی کا احساس دلائیے......اوقاف کے اتنے
بڑے مال دار اِدارے سے اپنی ملّت کو فائدہ پہنچائیے...... یہ آپ ہی کی جائیدادیں
ہیں ...... یہ آپ ہی کا حق ہے......آنکھیں مل کر بیدار ہو جائیے......زاغوں کا نشیمن
اُجاڑ دیجیے...... اپنا آشیانہ، اپنا آسرا خانہ تعمیر کیجیے...... ملّت کا بھلا ہوگا......لوگ
دعائیں دیں گے......خدا خوش ہوگا......

جی چاہتا ہے...... یہاں دو مثالیں پیش کر دوں......ممبئی کی جامع مسجد کس نے

بنائی......انجمن اسلام ممبئی کے اتنے بڑے بڑے ادارے......جن زمینوں پر کھڑے
ہیں......اُن کے واقف کون لوگ تھے؟......حاجی محمد صدیق صابو والا میمن کون تھا؟......
اُس نے کتنی مسجدیں بنوائیں...... کتنے سرائے...... مسافر خانے بنوائے......کتنی
جائیدادیں وقف کیں......کتنا سرمایہ خرچ کیا......کیا کسی کو خبر ہے؟......سلطان ٹیپو شہید
کا محل میسور میں پڑا ہے...... ہزاروں ایکڑ موقوفہ اراضی پڑی ہیں......غیروں کا قبضہ
ہے......غیروں کا تسلط ہے......خود ٹیپو سلطان کا پڑپوتا یا چھرپوتا......کلکتہ میں رکشہ کھینچ
کر گزارہ کرتا ہے...... وہ بھی سائیکل نہیں......کلکتہ میں رکشہ خود انسان بیل کی طرح
کھینچتا ہے......ذرا سوچیے تو سہی......کیا یہ جائے عبرت نہیں......کیا یہ مقامِ افسوس نہیں
......کیا اب بھی آپ کے لہو میں گرمی پیدا نہیں ہوئی......ڈائنا سور کی طرح......کب تک
بے حس و حرکت پڑے رہیں گے...... ذرا حرکت تو کیجیے......خاموش سمندر میں ذرا
اضطراب تو پیدا کیجیے......آیئے......آگے آیئے......تنہا آیئے......خدا پر بھروسہ کر کے
آیئے......دیکھتے ہی دیکھتے کارواں بن جایئے......خود آپ تاریخ میں اَمر رہیے گا......
طارق بن زیاد......خالد بن ولید......نور الدین زنگی......صلاح الدین ایوبی......ایک
ایک ہی گزرا ہے......سیکڑوں نہیں......صدیاں بیت گئیں......آج بھی وہ آئیڈیل ہیں
......جی ہاں!......آپ بھی آئیڈیل بنیے...... ماڈل بنیے......مثال بنیے...... چوڑیاں
مت پہنیے ...... پہنے ہوں......تو اُتار دیجیے......اُتریے......میدان میں اُتریے......
بے خطر اُتریے......خدا ہی حافظ و ناصر ہے......کفیل و وکیل ہے......قسمت ساز و کار
ساز وہی ہے......اُسی کا نام لیجیے......اُتر پڑیئے......جھپٹ پڑیئے......

دھیان رکھیے......آپ اسّی فی صد ہیں......اسّی فی صد قلمی، تحریری، صحافتی
صلاحیت بھی رکھتے ہیں......اب ذرا نظر اُٹھایئے......اطراف کا جائزہ لیجیے......عوام
تک، خواص تک، حکومت تک اپنی بات لے جانے کا......قلم، تحریر، صحافت ایک اہم

مضبوط ذریعہ ہے......اس سطح پر چند مذہبی رسائل وہ بھی اردو میں...... اِن کے سوا کیا ہے......ادبِ اطفال، ادبِ نسواں پر کیا ہے......سیاسی و معاشی تحریر کار، جائزہ نگار کہاں ہیں ...... اردو کے علاوہ...... عربی اور انگلش کے قلم کاروں، محققوں، اداروں، اکیڈمیوں، مصنّفین و ناشرین سے......اس ملّت کا رابطہ کہاں ہے......اس ملّت میں جو چند عربی کے ادیب و قلم کار پیدا ہوئے......اُن کو میدان نہیں ملا...... یا پذیرائی نہیں ہوئی......قدر نہیں کی گئی...... نتیجے میں وہ بھی سمٹ کر صفر ہو کر رہ گئے......عربی و اسلامی ممالک و بلاد سے تعلق استوار نہیں ہوا......انگریزوں کا بھی یہی رہا......اس کا بھی فائدہ غیروں نے اُٹھایا......انہوں نے نہ صرف آپ کو کنارے کر دیا......آپ کی قبر بھی کھود ڈالی......تدفین بھی کر دی......کیا یہ قابلِ توجہ پہلو نہیں ہے......آپ کا کوئی عربی میگزین نہیں ......انگریزی آرگن نہیں...... جب کہ آپ کے حریفوں کے پاس درجنوں ہیں ......کیا آپ کے پاس عربی داں، انگریزی داں افراد کی کمی ہے......ایسا نہیں ہے...... چن کر اُن کو سامنے لائیے......اُن کی صلاحیتوں، لیاقتوں کی قدر کیجیے......کام میں لگائیے ...... ہر طرح سے اُن کا خیال رکھیے...... فارغ البال کر دیجیے...... مواد و موضوعات فراہم کر دیجیے......دیکھیے......کم وقت میں کتنا کام ہوتا ہے...... یہ وقت کی پکار ہے......یہ ضرور کیجیے......

فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے......جانی و مالی نقصان مسلمانوں کا ہوتا ہے......آپ ریلیف کا انتظام کیجیے......فساد زدگان کے زخموں پر مرہم رکھیے...... آپ اسّی فی صد ہیں...... یہ کام آپ کو اِسی تناسب سے کرنا چاہیے......میڈیکل فیلڈ، ایجوکیشن فیلڈ، رفاہی، فلاحی فیلڈ میں بھی آپ کا رول اسّی فی صد ہی ہونا چاہیے......یتیموں کی کفالت، امدادِ بیوگاں، جوان لڑکیوں کی شادیاں، بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنا، جہالت، غربت کے خلاف جنگ چھیڑنا......سماجی اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کرنا......غرضیکہ

زندگی کے ہر گوشے...... ہر شعبے میں اسی طرح ملّت کی خدمت، محنت، ایثار، جہد و جہد ہونی چاہیے......جس کو اسّی فی صد ہونے کا دعویٰ ہے......تا کہ اس کی دعوے داری...... ہوائی، فضائی نہ ہو......زمینی اور حقیقی ہو......اور یہ کہ دعویٰ بلا دلیل و ثبوت نہ رہ جائے ...... بات محض کہنے لینے سے بات نہیں بنتی...... بات جب بنتی ہے......کہ جیسا آپ بولتے ہیں......ویسا کر کے بھی دکھائیں......عمل کر کے بھی بتائیں......بچّہ بھوکا ہو......تو باتوں سے اُس کا پیٹ بھرنے کے لیے...... باتیں نہیں......چاول، چپاتی چاہیے......تن ڈھانکنے کو کپڑے......سر چھپانے کو چھپر چاہیے......بے علم کو علم چاہیے......بے روزگار کو روزگار چاہیے......

خانقاہوں کی آپسی شکر رنجی بھی ایک مسئلہ ہے......مدارس کی چپقلش بھی ایک مسئلہ ہے......اساتذہ کی رسّہ کشی بھی دردِ سر ہے......اماموں کی کھینچا کھینچی بھی وبالِ جان ہے......مقرروں کی ٹناٹنی بھی ایک خطرہ ہے......ایڈیٹروں کی جھڑپ بھی قابلِ التفات ہے......علما اور مفتیانِ کرام کے مستاجرات بھی لائقِ اعتنا ہیں......لسانی اور جغرافیائی تناؤ یا من موٹاؤ بھی قابلِ فراموش نہیں......خانقاہی اور درس گاہی نسبتوں کا احترام بھی ضروری ہے......مشربی و مسلکی تعصب بھی کوئی فعلِ مستحسن نہیں......اصحابِ قلم کا ایک دوسرے پر جارحانہ حملہ......صبر و تحمل، قوتِ برداشت کا مظاہرہ نہ کرنا...... باہم مل کر مشورے نہ کرنا......اختلاف میں بھی اتفاق کی راہیں تلاش نہ کرنا...... بات بات پر جھگڑا کر لینا...... جماعتی اتحاد، جماعتی ترقی و بقا کے لیے غور و خوض نہ کرنا......آپس میں ہی آمنے سامنے ہو جانا......آر پار کی باتیں کرنا......ذاتیات پر اُتر آنا......چھوٹی چھوٹی باتوں کو اسٹیجوں تک لے جانا...... بڑے بڑے اشتہارات چھاپ دینا...... بازاری اور عوامی الفاظ کا استعمال کرنا......ابتذال اور سطحیات کی حد تک پہنچ جانا......تعمیری، بنیادی، مثبت پائیدار کاموں سے گریز کرنا...... غیر ضروری کاموں کو فرض و واجب کا درجہ دینا

......فرض و واجب سے بے پرواہ ہوجانا...... منصبی ذمّے داریوں کا نہ نباہ پانا...... چیختے
تقاضوں سے پہلوتہی کرنا...... جبری حالات سے منہ موڑے رہنا...... ملّی مسائل سے چشم
پوشی کرنا...... ذاتی یا جماعتی خامیوں کا جائزہ اور احتساب نہ کرنا...... یہ اور اِس نوع کے
سیکڑوں مسائل ہیں...... جو فوری حل طلب ہیں......

یاد کیجیے...... آپ اسّی فی صد ہیں...... صاف بات ہے...... ڈاکٹر، بیرسٹر،
انجینئر، فلاسفر، دانشور، اسکالر، محققین، مصنفین، ماہرِ تعلیم، قانون داں، حساس افراد،
نباض شخصیات، حکما، اطبّا، دردمند، مخلص، مخیر، سماجی کارکن، اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ سوسائٹی
کے لوگ، اعلیٰ بزنس مین، اکس پورٹ، اِم پورٹ کرنے والے تاجر...... غرض کہ اہلِ
ہنر، اہلِ فن میں سے اسّی فی صد آپ کے ہیں...... تو اسی اعتبار سے اُن کی سرگرمیاں بھی
ہونی چاہئیں...... غور کریں...... یہ حضرات کہاں ہیں...... خاموش کیوں ہیں...... سامنے
کیوں نہیں آتے...... اپنی تنظیمیں کیوں نہیں بناتے...... اپنی خدمات کیوں نہیں پیش
کرتے...... ہر طبقے کے افراد اپنے اپنے شعبے میں ملّی و مذہبی بیداری کیوں نہیں پیدا
کرتے...... کیا اُن پر ملّی، مذہبی فریضہ عائد نہیں ہوتا...... کیا سب کام علما، مشائخ ہی
کریں...... وہ تو اپنے ہی مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں...... جو مذہبی سطح کا کام ہے......
وہ تو وہ کر ہی رہے ہیں...... دوسرے افراد اپنے اپنے شعبے کی خدمات انجام دیں...... ہر
گھوڑا ہر میدان میں نہیں دوڑتا...... گھوڑے سڑک یا مسطح زمین پر دوڑ سکتے ہیں......
ریت میں نہیں...... ریت میں اونٹ خوب چلتے ہیں...... نمک میں کھاراپن ہے...... شکر
میں مٹھاس ہے...... ضرورت دونوں کی ہے...... گھر میں جو فائدہ دیوار پہنچاتی ہے......
وہ چھت نہیں...... کھمبوں کا کھڑا رہنا بھی انتہائی لازم ہے...... کہنا چاہتا ہوں...... میدان
الگ الگ ہے...... ہر میدان کے لوگ آگے آئیں...... اپنی ذمّے داریاں نباہیں......
ایک دوسرے پر ٹال مٹول نہ کریں......

یاد رہے آپ اسّی فی صد ہیں...... تو بچّے بھی اسّی فی صد ہیں...... اُن بچوں کی
تعلیم کا مسئلہ ہے...... تناسب کے لحاظ سے کتنے بچّے ہیں...... جو مدارسِ اسلامیہ میں
پڑھتے ہیں...... اُن کے لیے آپ کوشاں ہیں...... علما کوشاں ہیں...... مشائخ کوشاں
ہیں...... اُن کے لیے فنڈ مختص ہے...... زکوٰۃ فنڈ، فطرہ فنڈ، چرمِ قربانی فنڈ، عشر فنڈ، امداد
وعطیہ فنڈ...... اُن کے لیے ہر فنڈ ہے...... ہر پروگرام ہے...... ہر شخص کوشاں ہے......
ٹھیک ہے...... یہ سب دینی تعلیم کے لیے...... بجا ہے...... مگر اُن بچوں کی جدید تعلیم کے
لیے کوئی فنڈ نہیں ہے...... کوئی اسکیم نہیں ہے...... اُن میں جو نہایت ذہین ہوتے ہیں
...... اُن کے لیے ملک کی یونیورسٹیوں میں...... یا باہر ملک کی جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے
لیے کوئی فنڈ نہیں ہے...... کوئی پروگرام نہیں ہے...... کوئی حرکت وتحریک نہیں ہے...... وہ
دونوں تعلیم سے آراستہ ہوجائیں...... تو ملّت کا نقشہ بدل جائے...... وہ خوش حال بھی
ہوں گے، فارغ البال بھی ہوں گے...... کھل کر کام کریں گے...... بے لاگ خدمات
انجام دیں گے...... آپ ایسا بھی کوئی پروگرام بنائیے...... اس طرح کرکے دیکھیں......
آپ کی شکایت ختم ہوجائے گی...... کہ علما کچھ کرتے نہیں...... یا صرف چندے پر انحصار
کرتے ہیں......

یہاں یہ بات، جو دُکھتی نس پہ ہاتھ رکھنے والی ہے...... وہ بھی بیان کردوں
...... طلبا مدارس کے علاوہ لاکھوں لاکھ بچّے...... اسکول، کالج، یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہیں
...... اُن بچوں، نوجوانوں کی مذہبی تعلیم، دینی تربیت کے لیے...... آپ کے پاس کیا
پروگرام ہے...... آپ نے اُن کو کس کے بھروسے پر چھوڑ دیا ہے...... کیا وہ آپ کے
بچّے نہیں...... کیا اُن کی دینی وعربی تعلیم وتربیت آپ پر فرض نہیں...... آپ نے اُن کو
آزاد کیوں رکھا ہے...... کیا خدا آپ سے اپنی اولاد کے بارے میں نہیں پوچھے گا......
آپ باتیں بنا کر آگے نکل جانے کی کوشش نہ کریں...... آج ہی سے آپ عملی کوشش

شروع کردیں ...... اسکول سے یونیورسٹی تک ...... اُن کے لیے آپ مذہبی نصاب بنائیں......اسلامی سلیبس تیار کریں......اسلامک اسٹڈی سینٹر قائم کریں......

دیکھیے اردو کے شعرا اور اُدبا......اردو کی روٹی کھاتے ہیں ......اردو کی بوٹی توڑتے ہیں......اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سے پڑھاتے ہیں......خود انگریزی وضع قطع میں رہتے ہیں ...... پھر اردو کا رونا روتے ہیں ......اسلامی تہذیب کی بات کرتے ہیں ......مشاعرہ سازی اور مشاعرہ بازی سے کیا اردو زندہ رہ سکتی ہے......بیل سے دودھ دینے کی امید رکھنا محض بھول ہے......اسی طرح آپ نے ملّت کے لاکھوں کروڑوں بچوں کو دنیاوی تعلیمی اداروں میں بھیج دیا......اُن کی دینی شناخت، دینی تشخص، دینی تعلیم، دینی تہذیب سے آنکھیں بند کرلیں ...... پھر جب اُن میں بددینی آتی ہے......بدعقیدگی آتی ہے ...... بدتہذیبی آتی ہے......مغربی تعلیم، مغربی تہذیب سرایت کرتی ہے......تو پھر آپ چراغ پا، سیخ پا کیوں ہوتے ہیں ......شکایت کیوں کرتے ہیں ......روتے کیوں ہیں ...... ہائے وائے کرتے کیوں ہیں......بُرا بھلا کہتے کیوں ہیں ......فتویٰ ٹھونکتے کیوں ہیں......کون نہیں جانتا......سیلاب آئے گا......تو تباہی مچے گی......طوفان آئے گا......تو بربادی ہوگی ......سیلاب وطوفان کی تباہی و بربادی سے بچنے کا انتظام پہلے ہی کرنا چاہیے......اب لکیریں پیٹنے سے کیا فائدہ......اشرفیاں لُٹ گئیں......اب کوئلوں پر مہر لگانے سے کیا حاصل......

اب بھی وقت ہے ...... جاگ جائیے ......ہوش میں آئیے ...... کمر ہمت باندھیے ...... اسکول بنائیے ...... کالج بنائیے ...... یونیورسٹی بنائیے ...... آئی ٹی آئی کھولیے ...... پولی ٹیکنک سینٹر کھولیے ...... میڈیکل، انجینئر کالج بنائیے ...... ماڈرن ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سینٹرز قائم کیجیے......ذرائع روزگار و تجارت کے ادارے کھولیے......پروفیشنل کورسس کی کلاسیس کھولیے......سب کھولیے......سب کیجیے......مگر یاد رکھیے......

تاحدِ شرع رہیے......تاحدِ شرع کیجیے......اپنا نصابِ تعلیم اور نظامِ تہذیب بنائیے......طلبا پر لازم قرار دیجیے......کڑی نگرانی رکھیے ...... اسلامک کورس ایک لازمی مضمون (Compulsory Subject) کے طور پر پڑھائیے ......امتحان لیجیے......انعامات دیجیے......پھر جو طلبہ پڑھنے میں تیز ہوں ...... مالی اعتبار سے کمزور ہوں......اُن کی مالی سرپرستی کیجیے......اسکالرشپ کی سہولت فراہم کیجیے......خدارا محنت کیجیے......اَن تھک کوشش کیجیے......پھر دیکھیے ...... ماحول کیسے نہیں بدلتا ہے......ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا ...... رونا دھونا ترک کیجیے ...... آہ و اوہ چھوڑیے......حکومت اور دوسروں کو دوش مت دیجیے...... یہ آپ کا کام ہے......آپ کیجیے......اپنی قسمت آپ جگائیے......اپنی تقدیر آپ لکھیے ......آج کی نشست میں بس اتنا ہی......اللہ بس، باقی ہوس......

☆☆☆